بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد

"(نبی ﷺ نے فرمایا) اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اُس کو پوجا جائے"

(موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

یہ مزار یہ میلے

ایکس کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ایم بی بی ایس (لکھنؤ)

فاضل علوم دینیہ (وفاق المدارس ملتان)

رابطہ کیلیے پتہ:

محمد حنیف، پوسٹ بکس نمبر ۷۰۲۸، مسجد توحید، توحید روڈ، کیماڑی، کراچی

فون: 2850510-2854484

www.emanekhalis.com

فہرست عنوانات

1	امت کی حالت زار	4
2	نبی ﷺ کا قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمانا	5
3	قوم نوح کے پنجتن	6
4	شرک کی سنگینی	7
5	زیارت قبور کی اجازت	7
6	قبروں کو پختہ نہ بنانے اور زمین کے برابر رکھنے کا حکم رسول ﷺ	8
7	گنبد خضراء کی تاریخ	9
8	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ	10
9	زیارت قبور کی اجازت کی غرض	10
10	تاویلات اور معذرتیں	11
11	اولیاء اللہ کون ہیں؟	11
12	اولیاء اللہ کے دشمن کون ہیں؟	12
13	غلط توجیہہ	13
14	پروردگار براہ راست دعاؤں کو سنتا ہے	14
15	دعا کے لیے زندوں کو وسیلہ	15
16	شہداء اللہ کے پاس جنت میں زندہ ہیں قبروں میں نہیں	16
17	شہداء نہ تو روحانی طور پر اور نہ جسمانی طور پر اس دنیا میں واپس آسکتے ہیں	16
18	نبی ﷺ کا خواب میں آنا	19
19	رائی کا پربت	22
20	اصولی بحث	23
21	ناقابل اعتبار روایتیں	23
22	قبر میں زندگی، کھانا پینا اور صلوٰۃ	23
23	موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں صلوٰۃ ادا کرنا	25
24	عالم مثال ایک غلط اصطلاح ہے	26
25	شرک کے ستون	27
26	نبی ﷺ پر امت کے اعمال کا پیش کیا جانا اور قبر میں نبی ﷺ کی زندگی	28
27	انبیاء علیہم السلام کے جسد کو مٹی نہیں کھاتی؟	29

28	نبی ﷺ کا درود قریب سے سننا اور دور سے اس کا پہنچایا جانا؟...............	30
29	ملائکہ سیاحین والی موضوع روایت..........................	30
30	نبی ﷺ کی وراثت کا تقسیم نہ ہونا..........................	31
31	ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نکاح ثانی کا مسئلہ..................	31
32	السلام علیکم یا اہل القبور..............................	32
33	جوتیوں کی چاپ سننے کا معاملہ..............................	32
34	جنگ بدر کے مشرک مقتولین کا معاملہ..........................	33
35	نبی ﷺ کی قبر میں زندگی کی دوسری غلط روایتیں..................	35
36	روح کے بدن میں واپس لوٹائے جانے کی غلط روایات.................	36
37	مردہ بزرگوں کو دعا کے لیے وسیلہ بنانے کا شرک....................	37
38	اللہ تعالیٰ کو کسی کے حق کا واسطہ دینا جائز نہیں.....................	39
39	وسیلے کے ردّ میں کتبِ احناف کی عبارتیں	40
40	قرآن میں بتائے گئے وسیلے کی حقیقت..........................	41
41	حدیث کی رُو سے وسیلہ اعمالِ صالحہ کا..........................	41
42	وفات کے بعد نبی ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے کی روایات کی حقیقت......	43
43	آدم علیہ السلام کا نبی ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے کی غلط روایت..............	45
44	کسی خاص قبر کی زیارت کا غلط عقیدہ..........................	46
45	قبر نبوی ﷺ کی زیارت کی فضیلت کی بناوٹی روایتیں...............	47
46	قبر نبوی ﷺ کے وسیلے سے بارش..............................	48
47	نبی ﷺ کا اپنی قبر پر جمع ہونے سے منع کرنا......................	49
48	فقہ حنفی کا فیصلہ کہ مردے نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں..................	50
49	جو قبر بھی پوجی جائے وہ بت ہے..............................	51
50	حیات النبی ﷺ کا عقیدہ شرک کی جڑ ہے.......................	53
51	اصلاح احوال کے لیے ہمارا پروگرام............................	55
52	قبر نبوی ﷺ کی زیارت کی دوسری جھوٹی روایتیں..................	55
53	یاسارية الجبل الجبل جھوٹی بات ہے..........................	59
54	اس روایت کی علتیں....................................	60
55	صوفیاء کی دروغ گوئی....................................	62
56	محدثین کی گواہی کہ تصوف کے تمام سلسلے جھوٹے ہیں................	64

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

امّابعد: لوگو! کیا یہ جھکی ہوئی گردنیں یوں ہی جھکی رہیں گی؟ اور یہ ماتھے یوں ہی ٹھکرائے جائیں گے؟ ان منہوؤں پر اسی طرح تھوکا جائے گا؟ یہ بستیاں یوں ہی اجڑیں گی؟ نونہال اسی طرح چھیدے جاتے رہیں گے؟ یہ آبرو یوں ہی پامال اور خراب و خستہ رہے گی؟ سر چھپانے کو ایک آسرا نہ ملے گا؟ اور کیا تم دنیا وآخرت دونوں کا سکون کھودو گے؟ ہوشمندو! تم جس مالک پر ایمان لائے ہو اس کا فرمانا تو یہ ہے کہ

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اٰل عمران:۱۳۹)

’’تم ہی غالب رہو گے (سرفرازی اور کامرانی تمہارا حق ہے) بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ۔‘‘

اگر اس فرمان الٰہی کو حق مانتے ہو تو یہ بھی مانو کہ اب تم اس ایمان کے حامل نہیں رہے، جس ایمان سے دنیا اور آخرت کی سربلندی اور تاجداری کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ثبوت درکار ہو تو ایک طرف مسجدوں میں جھانک کر دیکھو اور دوسری طرف قبروں اور آستانوں پر عقیدت مندوں کے ہجوم کا مشاہدہ کرو۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجائے گی کہ عقیدت مندی کے ساتھ ساتھ دکان داری نے ایمان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ کیا کیا گل کھلائے ہیں؟ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کی قیمت وصول کی جارہی ہے اور من وسلویٰ سمجھ کر کھائی جارہی ہے: وہاں مجاورت اور قلندری ہے، سجدے اور طواف ہیں، رونا اور دھونا ہے، شیرینی اور چادریں ہیں، چرس اور بھنگ ہے، عریانی اور فحاشی ہے، گانا اور بجانا ہے، عُرس اور میلے ہیں، منّتیں اور مرادیں ہیں، تبرک اور چڑھاوے ہیں...... غرض ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی محمد ﷺ نے منع فرمایا تھا اور جس میں مبتلا ہونے والوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں جہنم کی آگ سے ڈرایا تھا:

.... عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ

اِنِّی اَنْھَاکُمْ عَنْ ذَالِکَ (مسلم، کتاب المساجد)

جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنے انبیاء اور اپنے اولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ اور سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں اس فعل سے تم کو منع کرتا ہوں۔''

قرآن کریم میں اس فعل شنیع سے روکنے کے لیے کس قدر بلیغ اور علمی بیان آیا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ○ (النحل: ۲۰، ۲۱)

''اور اللہ کے علاوہ وہ دوسری ہستیاں جن کو لوگ (حاجت روائی کے لیے) پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا۔''

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ نہ تو بت ہو سکتے ہیں اور نہ شیطان اور فرشتے بلکہ صاف صاف مراد قبر والوں سے ہے کیوں کہ شیطان اور فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ (مردے ہیں نہ کہ زندہ) کا اطلاق ممکن نہیں۔ رہے لکڑی اور پتھر کے بت تو ان کے لیے دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لامحالہ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (ان کو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائیگا) سے مراد انبیاء شہداء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہو سکتے ہیں جن کو ان کے معتقدین دستگیر، داتا، گنج بخش، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ملک عرب میں اس طرح کے معبود نہیں پائے جاتے تھے، تو یہ اس کی تاریخ سے ناواقفیت کا کھلا ثبوت ہے کیونکہ ہر تاریخ دان جانتا ہے کہ عرب میں متعدد قبائل مثلاً ربیعہ، غسان، کلب، تغلب، قضاعہ، کنانہ، حرث، کعب، کندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں مذاہب انبیاء، اولیاء اور شہداء کی پرستش سے بری طرح آلودہ تھے اور اسی طرح مشرکین کے بہت سے معبود گزرے ہوئے انسان ہی تو تھے، جنہیں بعد کی نسلوں نے الٰہ بنالیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے ودّ، سواعؔ، یغوثؔ، یعوقؔ اور نسرؔ، یہ سب اولیا اللہ تھے جنہیں بعد کے لوگ **الٰہ** بنا کر پوجنے لگے۔ بعض ان کی قبروں سے وابستہ ہو گئے اور بعض نے ان کے مجسمے اور بت بنا کر

پوجنا شروع کر دیا۔ عرب میں بھی ان کی خوب پوجا ہو رہی تھی۔ اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان ہی تھے۔ (ماخوذ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (سورة نوح:٢٣)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے قول ''اور (قوم نوح (علیہ السلام کے سرداروں نے) کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور دیکھو ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر سے ہرگز الگ نہ ہونا'' کے بارے میں روایت کیا:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ هٰؤُلَآءِ كَانُوْا قَوْمًا صَالِحِيْنَ فِيْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا مَاتُوْا عَكَفُوْا عَلٰى قُبُوْرِهِمْ ثُمَّ صَوَّرُوْا تَمَاثِيْلَهُمْ فَعَبَدُوْهُمْ ثُمَّ صَارَتْ هٰذِهِ الْاَوْثَانُ فِيْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ (مستفاض من كتب التفاسير والبخارى)

ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے کہا کہ یہ سب (ود، سواع وغیرہ) قوم نوح کے اولیاء اللہ تھے۔ جب وہ مر گئے تو لوگ ان کی قبروں سے وابستہ ہو گئے، پھر ان کی تمثیلیں بنالیں اور ان کی عبادت کرنے لگے۔ پھر یہی بت عرب کے قبائل میں پھیل گئے۔

یہی بات قرآن کریم میں پروردگار عالم نے ارشاد فرمائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الاعراف:١٩٤)

''تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض اللہ کے بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ ان سے دعائیں مانگ دیکھو، یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر انکے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں۔''

معلوم ہوا کہ نعرۂ رسالت ''یا رسول اللہ''، نعرۂ حیدری ''یا علی'' اور نعرہ غوثیہ سارے کے سارے نعرے مسلمان اور مومن کے بہر حال نہیں ہیں۔ مومن کا تو ایک ہی نعرہ ''اللہ اکبر'' ہے۔ یہی نعرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لگایا ہے۔

آج اس امت پر نگاہ ڈالیے تو یہی نقشہ نظر کے سامنے ہوگا: کہیں کوئی قبر مسجود خلائق ہے؛ کہیں کوئی آستانہ ہے، جس کی چوکھٹ پر جبیں سائی کی جا رہی ہے؛ کسی کو دستگیر، کسی کو غوث، کسی کو مشکل کشا پکارا جا رہا ہے اور وہ گھر جہاں پیشانیوں کو جھکنا چاہیے تھا خالی پڑے ہیں۔ اور اس ذات کے ساتھ، جو صحیح معنوں میں دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا ہے، یوں شریک

ٹھہرائے جا رہے ہیں! اب اگر مالک کائنات کا غصہ اس امت پر نہ بھڑکے اور وہ اس کے عذاب کے کوڑے کی مستحق نہ ٹھہرے تو اور کیا ہو؟ پروردگار عالم کو سب سے زیادہ نفرت اس بات سے ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے، یا اس کو چھوڑ کر کسی اور کو حاجت روا اور مشکل کشا مان لیا جائے۔ اس بات کو کہیں وہ ظلم عظیم کا نام دیتا ہے جیسے سورہ لقمان میں ہے کہ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان:۱۳)

''حق یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے''

اور کہیں مالک شرک کو گالی سے تعبیر کرتا ہے جیسے کہ بخاری کی روایت میں ہے: اِبْنُ آدَمَ شَتَمَنِیْ ''ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے''۔ (بخاری: کتاب بداء الخلق) حد یہ ہے کہ جو شخص بھی اس نجاست میں لت پت ہو کر بغیر توبہ کے مر جائے اس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہ کرے گا اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتا رہے گا چاہے اس نے نمازوں پر نمازیں پڑھی ہوں، روزوں پر روزے رکھے ہوں اور حجوں پر حج کیے ہوں۔ قرآن کی بے شمار آیتیں اس پر گواہ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النسآء:۱۱۶)

''اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جس کو وہ معاف کرنا چاہے۔''

شرک سے اللہ تعالیٰ اس قدر بیزار ہے کہ سورۂ انعام میں اٹھارہ برگزیدہ انبیاء کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ اگر ان میں سے کہیں کوئی شرک کر بیٹھتا تو اس کے سارے اعمال غارت ہو جاتے: وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:۸۸)

''لیکن اگر کہیں ان (انبیاء علیہم السلام) لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان سب کا کیا کرایا غارت ہو جاتا۔''

خود نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو اور تم سے پہلے گزرے ہوئے سارے انبیاء علیہم السلام کو وحی بھیج کر بتلایا گیا ہے کہ: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الزمر:۶۵)

''اگر (بفرض محال) تم نے شرک کیا تو تمہارا سرمایہ عمل ضائع ہو جائے گا اور تم دیوالیہ ہو جاؤ گے۔''

پچھلی امتوں کو شرک کی لعنت میں مبتلا کرنے میں قبروں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے شروع میں لوگوں کو قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا۔ پھر جب اجازت دی تو اس کے ساتھ یہ پابندی لگا دی کہ کچھ مانگنے کے لیے نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لیے

جاؤ، آخرت کو یاد کرنے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنے کے لیے جاؤ:

......عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُولَ ﷺ قَالَ کُنْتُ نَهَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِی الدُّنْیَا وَتُذَ کِّرُ الْاٰ خِرَةَ

(ابن ماجة: کتاب الجنائز، وفی المسلم تُذَکِّرُالْمَوْتَ، مشکوٰۃ صفحة ۱۵۴)

..........عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگو! میں نے تم کو قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا لیکن اب اجازت دیتا ہوں کیونکہ قبروں کو دیکھ کر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے (اور مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ قبریں موت یاد دلاتی ہیں)۔

اور اس کام کے لیے اولیاء اللہ کی قبریں مخصوص نہیں بلکہ مشرک تک کی قبر کی زیارت کی اجازت ہے اور اسی لیے امام نسائی اور ابن ماجہ نے زِیَارَةُ قَبْرِالْمُشْرِکِ کا باب باندھا ہے اور اس کے بعد وہ نبی ﷺ کا اپنی ماں کے لیے استغفار کی اجازت چاہنے کا واقعہ لائے ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنی ماں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے کی اجازت نہیں دی مگر قبر کی زیارت کی اجازت دے دی۔ اور قبر پر پہنچ کر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ موت کی یاد دلاتی ہے۔ (نسائی: کتاب الجنائز، صفحہ ۲۸۶)

صاف ظاہر ہے کہ عبرت کے لیے گور غریباں ہی موزوں ہوسکتی ہے نہ کہ سنگ مرمر کی تراشی ہوئی عمارتیں، جہاں پھولوں کی بارش ہو رہی ہو، اور جہاں کی ہوائیں خوشبوؤں سے بوجھل ہوں۔ زبان نبوت نے قبروں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:-

قبروں کو پختہ نہ بنایا جائے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهیٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ یُّبْنیٰ عَلَیْهِ وَاَنْ یُّقْعَدَ عَلَیْهِ

(رواہ مسلم: کتاب الجنائز/ مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۸)

''......جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ قبر کے اوپر کوئی عمارت بنائی جائے یا قبر پر بیٹھا جائے۔''

نبی ﷺ نے قبروں کو بلند کرنے سے بھی منع کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ قبریں زمین کے برابر ہونی چاہئیں۔

قبریں زمین کے برابر ہوں

..........عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ شَفِیٍّ قَالَ کُنَّا مَعَ فُضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ بِاَرْضِ الرُّوْمِ بِرُوْدِسَ

فَتُوَفِّیَ صَاحِبٌ لَّنَا فَاَمَرَ فُضَالَةُ بِقَبْرِہٖ فَسُوِّیَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَاْمُرُ بِتَسْوِیَتِھَا (مسلم:کتاب الجنائز،جلد۱، صفحہ۳۵، طبع مصری)

''ثمامہ بن شفی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ارض روم کے جزیرہ رودس(RHODES) میں تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہوگیا۔فضالہ رضی اللہ عنہ نے ہم کوحکم دیا کہ ہم ان کی قبر کو برابر کردیں، پھر فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کوایسا ہی حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔''

نبی ﷺ کواونچی قبریں اوران پر بنی ہوئی عمارتیں اس قدر ناپسند تھیں کہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کواس کام کے لیے خاص طور پر بھیجا کہ وہ ان کی بلندی کومٹادیں۔

اونچی قبر برابر کردی جائے

............عَنْ اَبِی الْھَیَّاجِ الْاَسَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَابَعَثَنِیْ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالاً اِلَّا طَمَسْتَہٗ وَلَا قَبْراً مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَہٗ

(مسلم: کتاب الجنائز، مشکوٰۃ، صفحہ۴۸)

''ابوالہیاج اسدی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اے ابوالہیاج! کیا میں تم کواس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا؟ اوروہ کام یہ ہے کہ جاؤاور جوتصویرتم کونظرآئے اس کومٹادواور جوقبراونچی ملے اسے برابر کردو۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی **کِتَابُ الْاُم** میں لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے علماءقبروں پر بنی ہوئی عمارت کوگرادینے کا حکم دیتے تھے۔(شرح مسلم للنووی :جلد ۷، صفحہ ۳۷، طبع مصری)

گنبدخضراءکی تاریخ

یہ حدیث سننے کے بعدبعض ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگراس حدیث کا یہی منشاء ہےتو خودقبرنبوی ﷺ پر یہ قبہ گنبدخضراء کیسے وجود میں آیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقریباً سات سوسال تک قبرنبوی ﷺ پرکوئی عمارت نہیں تھی، پھر ۶۷۸ھ میں منصور بن قلاوون صالحی (بادشاہ مصر) نے کمال احمد بن برہان عبدالقوی کے مشورے سے لکڑی کا ایک جنگلہ بنوایا اوراسے حجرہ کی چھت پرلگادیا۔اوراس کا نام ''قبہ رزاق'' پڑگیا۔اس وقت کے علماء ہر چند کہ اس صاحب اقتدارکو نہ روک سکے، مگرانہوں نے اس کام کو بہت براسمجھا۔اور جب یہ مشورہ دینے والا کمال احمدمعزول کیا گیا تو لوگوں نے اس کی معزولی کواللہ کی طرف

سے اس کے اس فعل کی پاداش شمار کیا۔ پھر الملک الناصر حسن بن محمد قلاوون نے اور اس کے بعد ۷۶۵ھ میں الملک الاشرف شعبان بن حسین بن محمد نے اس میں تعمیری اضافے کیے یہاں تک کہ موجودہ تعمیر عمل میں آئی۔ (وفاء الوفا للسمہودی: جلد ۱، صفحات ۴۳۵،۴۳۶)

مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں فقہاء کا بھی مسلک نقل کر دیا جائے۔ مسلک احناف کے سب سے معتبر فقیہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

وَاَمَّا الْبِنَاءُ عَلَيْهِ فَلَمْ اَرَا مَنْ اِخْتَارَجَوَازَهٗ

''میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس نے قبر پر عمارت بنانے کو جائز کہا ہو۔''

پھر امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا فتویٰ بیان کرتے ہیں:

وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ یَکْرَهُ اَنْ یُّبْنٰی عَلَیْهِ بِنَاءٌ مِنْ بَیْتٍ اَوْقُبَّةٍ وَّنَحْوَ ذَالِکَ لِمَا رَوٰی جَابِرٌ نَهِیِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ تَجْصِیْصِ الْقُبُوْرِ وَاَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْهَا وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْهَا (شامی: جلد ۱، صفحہ ۸۳۹، مطبوعہ استنبول)

''امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے قبر پر کوئی عمارت مثلاً گھر، قبہ وغیرہ بنانے سے منع کیا ہے کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت آئی ہے کہ قبر کو پختہ بنایا جائے، اس پر کتبہ لگایا جائے یا اس پر عمارت تعمیر کی جائے۔''

زیارت قبور کی اجازت کی غرض

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قبروں پر جانے کی اجازت دی، اس وقت یہ بھی بتا دیا کہ قبروں پر کچھ لینے کی غرض سے نہ جاؤ بلکہ کچھ دینے کے لیے جاؤ۔ اور دینا یہ ہے کہ قبر والوں کے حق میں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب سے سلامتی میں رکھے اور ان کے اور تمہارے اپنے گناہ معاف کر دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر والوں کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَااَهْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ

(ترمذی: ابواب الجنائز)

''اے قبروں کے باسیو! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف فرمائے اور تمہیں بھی۔ تم ہم سے پہلے جا چکے ہو اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔''

بالکل یہی معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب ہم اپنے ہر مرنے والے کے ساتھ کرتے ہیں، چاہے وہ ایک عام گنہگار مسلمان ہو اور چاہے کوئی اللہ کا ولی: اس کا جنازہ ہمارے

سامنے ہوتا ہے اور ہم صف باندھے دعا کررہے ہوتے ہیں کہ:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَشَاھِدِ نَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِ نَا وَ اُنْثَانَا

......الخ (ابوداؤد، نسائی و ترمذی، کتاب الجنائز)

''اے اللہ معاف فرمادے ہمارے زندوں کو اور ہمارے مردوں کو، ہمارے حاضروں کو اور ہمارے غائبوں کو، ہمارے چھوٹوں کواور ہمارے بڑوں کو، ہمارے مردوں کواور ہماری عورتوں کو''

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ زمین کے باہر تو ہم اپنے مرنے والوں کے لیے دعا کررہے ہوں، مگر جب وہ زمین کے اندر اتر جائیں تو ہمارے حاجت روا مشکل کشا بن جائیں!

تاویلات اور معذرتیں

لوگوں کو جب سمجھایا جاتا ہے کہ جس کو تم ولی اللہ سمجھتے ہو، اس کی قبر کے پاس پہنچ کر اس قدر خوفزدہ اور بدحواس کیوں ہو جاتے ہو کہ کبھی قبر کے پاس جھکے جارہے ہو، کبھی قبر کو ہاتھ لگا کر اس کی خاک بدن پر ملتے ہو، کبھی اس کا طواف کرتے ہو، کبھی ہاتھ باندھے اس کے پاس اپنی بپتائیں بیان کررہے ہوتے ہو، کبھی صاحب قبر کی دہائی دیتے ہو، کبھی نذر ونیاز اور چڑھاوے پر اتر آتے ہو، کبھی منتیں مانتے ہو کہ اولاد ہو جائے تو یہ نذر کروں گا، بیماری چلی جائے تو یہ خدمت بجالاؤں گا؛ واپس ہونے لگتے ہو تو الٹے پیروں چلتے ہو کہ قبر کی طرف پیٹھ نہ ہونے پائے، قبر کے قریب یا دور جہاں سے بھی گزرو قبر کا رخ کر کے سلام کرتے ہو اور اس میں برکت جانتے ہو اور ایسا نہ کرنے پر سخت مشکل میں پڑ جانے کا دھڑ کا تمہیں لگا رہتا ہے، اولاد ہو تو نہلا دھلا کر لاتے ہو اور فرش پر ڈال دیتے ہو، دولہا کو نکاح کے واسطے لیے جارہے ہوتے ہو تو پہلے قبر پر حاضری دیتے ہو............آخر یہ سب کیوں کرتے ہو؟ کیا یہ غیر اللہ کی پرستش اور پوجا نہیں ہے؟ اور کیا کسی ایک ولی اللہ نے بھی اس بات کا حکم دیا ہے؟ ولی اللہ تو صوم وصلوٰۃ کے پابند، اللہ سے ڈرنے والے اور اللہ ہی کو پکارنے والے ہوتے ہیں؛ وہ یہ بات کیسے پسند کرسکتے تھے کہ تم یہ کام کرنے کے بجائے ان کو پکارو، ان سے مانگو؟ ان کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ شان بیان کی ہے:

اولیاء اللہ کون ہیں؟

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ○

(سورۃ یونس:۶۲،۶۳)

”سنو! جو اللہ کے اولیاء ہیں، ان کے لیے کسی خوف و رنج کا موقع نہیں ۔اولیاء وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور جو اللہ سے ڈرنے والے تھے۔“

اس آیت سے یہ کہاں نکلتا ہے کہ اولیاء اللہ مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں؟

اولیاء اللہ کے دشمن کون ہیں؟

اولیاء اللہ کے دشمن وہ نہیں جو ان کی صحیح پیروی کرتے ہیں، ان کے نقش قدم کو نگاہ میں رکھتے ہوئے چلتے ہیں، ان کو ان کا اصلی مقام دیتے ہیں...... بلکہ ان کے دشمن وہ ہیں جو ان کی قبروں کو پختہ کرتے ہیں؛ ان پر قبے بنا کر عرس، میلے، بھجن اور قوالیاں شروع کر دیتے ہیں؛ مشکل میں ان کو پکارتے ہیں اور ان کی نذر و نیاز کر کے ان کو اللہ کے ساتھ، شریک ٹھہراتے ہیں......اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کھول کھول کر اولیاء اللہ کے ان دشمنوں کا پتہ بتلایا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ○ (الاحقاف:۵،۶)

یعنی اس شخص سے زیادہ گمراہ اور کون ہے جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو آواز دے حالانکہ وہ قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ وہ تو ان کی پکار ہی سے غافل ہیں۔ ہاں، قیامت کے دن جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے (اور ان اولیاء اللہ کو اپنے پجاریوں کی حرکات سے باخبر کیا جائے گا) تو یہ (اولیاء اللہ) ان (پجاریوں) کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی پوجا پاٹ کا شدت کے ساتھ انکار کر دیں گے۔

معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے اصلی دشمن وہ لوگ ہیں جو ان کو **الوهیت** میں شریک ٹھہرا کر ان کی قبروں پر چادریں چڑھاتے ہیں اور ان کا پرشاد کھاتے ہیں............اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنے ولی کے دشمن سے اعلان جنگ کرتا ہوں:

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ (بخاری:کتاب الرقاق)

”جس نے میرے ولی سے دشمنی کی، اس سے میں اعلان جنگ کرتا ہوں۔“

جب معاملہ یہ ہے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے اور اولیاء اللہ سے دشمنی کرنا چھوڑ دیا جائے۔ عجیب بات ہے کہ جب ان ناسمجھوں سے کہا جاتا ہے کہ تمہی بتاؤ کہ کیا کوئی ایماندار اور اللہ سے ڈرنے والا ان باتوں کا حکم دے سکتا ہے جو تم آج کرتے ہو؟ تو

جواب ملتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں کہ ہم گناہ گار لوگ ہیں، ہماری پہنچ اللہ کے دربار تک کہاں، اور یہ اللہ والے بزرگ تھے ہم ان کو خوش کر کے اللہ کے یہاں اپنا وسیلہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری بات وہاں تک پہنچادیں؛ آخر دنیا میں بادشاہ تک پہنچنا ہوتا ہے تو کیا درباریوں اور وزراء کو وسیلہ نہیں بنایا جاتا.......... یہ بالکل وہی بات ہے جو عرب کے لوگ اس وقت کہا کرتے تھے جب ان کو ٹوکا جاتا تھا کہ ایک مالک کو چھوڑ کر تم دوسروں کے پاس کیوں جاتے ہو۔؟ اللہ تعالیٰ قرآن میں ان کا نقشہ یوں پیش فرماتا ہے:

غلط توجیہہ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ (الزمر:۳)

’’رہے وہ لوگ جنھوں نے اس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (وہ اپنے اس فعل کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔‘‘

اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ

هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ (سورۃ یونس: ۱۸) ’’یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔‘‘

سچ ہے دنیا بھر کے لوگ ہمیشہ سے یہی کہتے آئے ہیں کہ ہم دوسری ہستیوں کی عبادت ان کو خالق سمجھتے ہوئے نہیں کرتے، خالق تو ہم اللہ ہی کو مانتے ہیں اور اصل معبود اسی کو سمجھتے ہیں لیکن اس کی بارگاہ بہت اونچی ہے، وہاں تک ہماری رسائی بھلا کہاں؟ اس لیے ہم ان بزرگوں کو وسیلہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری دعائیں اور التجائیں اس تک پہنچادیں اور ہمارے سفارشی بنیں۔

کاش انہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا کے بادشاہوں سے بالکل مختلف ہے! دنیا کے بادشاہوں کو تو سوال کرنے والے کے حالات اور ضروریات کا کچھ علم نہیں ہوتا مگر مالک اس نقص سے پاک ہے، وہ تو ہر انسان کے دل کی بات تک سے واقف ہے، اس کو اس کی ضرورت نہیں کہ اس کا کوئی وزیر اس تک خبر پہنچائے تب اسے معلوم ہو۔

دنیا کے بادشاہوں کی طرح وہ اپنے سرداروں اور وزیروں کے جھرمٹ میں نہیں رہتا کہ جب تک کوئی سردار یا وزیر اٹھ کر سفارش نہ کرے، وہ کسی کی عرضداشت سننے پر رضامند ہی نہ ہو! اور نہ وہ دنیاوی بادشاہوں کی طرح تندمزاج اور غصہ ور ہے کہ کسی سائل کو خدام ادب کا ذریعہ

چھوڑ کر، براہ راست اس کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کا یارانہ ہو۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے وزیر اور بادشاہ قسم کی غلط مثالیں بیان کرنے سے قرآن میں منع فرمایا ہے، اور بتلا دیا ہے کہ میں ہر بات کا علم بھی رکھتا ہوں، اور اپنے بندوں کے لیے ارحم الراحمین ہوں، دوسرے ایسے نہیں ہیں:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۷۴)

''پس اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو، اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

مالک حقیقی کا حال تو یہ ہے کہ وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ښ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:۱۶)

''ہم نے انسان کو بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں جو باتیں اس کے جی میں آتی ہیں اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

یہ ہے اللہ کا معاملہ، رہے دوسرے تو ان کو اپنے پکارنے والوں کی پکار کی خبر ہی نہیں ہوتی، پہنچانا اور سفارش کرنا تو بعد کی بات ہے۔ یہ قرآن کریم کا اصلی مسئلہ ہے۔ اور قرآن نے اولیاء اللہ کو دعائیں پہنچانے والا سمجھنے والوں کو مشرک کہا ہے۔ ابو جہل کا سب سے مضبوط عقیدہ یہی تھا۔

پروردگار براہ راست دعاؤں کو سنتا ہے

یہی اللہ کے دربار تک دعاؤں کے پہنچانے کا مسئلہ نبی ﷺ کے سامنے بھی لایا گیا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ کیا ہماری بات براہ راست اللہ کے دربار تک پہنچ سکتی ہے اور کیا بغیر وسیلے کے ہماری دعائیں سنی جا سکتی ہیں؟ پروردگار عالم نے قرآن میں اس کا جواب ارشاد فرمایا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرۃ:۱۸۶)

''اور (اے نبی ﷺ) میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ میرا ہی حکم مانیں اور مجھ ہی پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنا دو، شاید کہ وہ راہ راست پا لیں''

غرض اس طرح سے بتا دیا گیا ہے کہ اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دور ہوں، نہیں میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے؛ حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اسے بھی سن لیتا ہوں اور

صرف سنتا ہی نہیں بلکہ فیصلہ بھی صادر کر دیتا ہوں اور جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے حاجت روا مشکل کشا اور فریاد رس قرار دے رکھا ہے، ان کے پاس تو تم کو دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی وہ نہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کرسکیں۔ اور میں کائنات بے پایاں کا فرماں روائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور سفارش کے براہ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو؛ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار، بناوٹی الٰہ کے در پر مارے مارے پھرتے ہو؛ میں جو حکم تمہیں دے رہا ہوں اس کو مان لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی اور اطاعت کرو۔ (ماخوذ)

دعا کے لیے زندوں کو وسیلہ بنانا

بہت سے لوگ قبروں پر جانے کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم وہاں مانگنے کے لیے نہیں جاتے بلکہ ان بزرگوں سے اپنے حق میں دعا کروانے جاتے ہیں۔ اب اگر ان سے کہا جائے کہ اگر بزرگوں کی دعاؤں کو وسیلہ بنانا ہی ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان سے دعا کرواؤ، دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ بات صحیح نہیں ہے، تو فوراً شہداء کی زندگی اور ان کے رزق کا ذکر شروع ہو جاتا ہے کہ تم ان بزرگوں کو مردہ کہتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں شہداء کو زندہ کہتا ہے اور ان کو مردہ کہنے سے منع کرتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ قرآن میں جو حیاتِ شہداء کی آیتیں آئی ہیں وہ اس لیے نہیں آئی ہیں کہ شہداء کو وسیلہ بنایا جائے یا ان کو پکارا جائے، بلکہ وہ یہ بتانے آئی ہیں کہ مومن کا یہ فرض ہے کہ ایمان کا بول بالا کرنے کے لیے اپنا آخری قطرۂ خون تک نچھاور کر دے۔ باطل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بجائے اپنا سر دینے پر تیار رہے؛ اور اگر اس راہ میں اس کا مالک اس کی یہ قربانی قبول فرمالے تو وہ یقین رکھے کہ اس دنیاوی زندگی سے گزرنے کے فوراً بعد وہ جنتوں کی ایسی لازوال زندگی کا مستحق ہو جائے گا جہاں پھر موت نہیں اور قیامت سے پہلے ہی وہ جنتوں کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ یہی بات ہے جو سورۃ البقرۃ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرۃ:۱۵۴)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے جائیں، ان کو مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔''

اوپر کی آیت سورۃ البقرہ کی ہے؛ اس کے بعد کی آیتیں، جو جنگ احد کے بعد سورۃ آل عمران میں نازل ہوئیں، صاف بتاتی ہیں کہ یہ زندگی دنیا میں قبروں کے اندر ''زندہ درگور'' قسم کی نہیں بلکہ جنت میں عیش و آرام کی زندگی ہے۔

شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں زندہ ہیں قبروں میں نہیں

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران:۱۶۹)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔''

اس طرح سے صاف بتلا دیا گیا کہ شہداء ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' اپنے رب کے پاس ہیں اور وہاں رزق پا رہے ہیں، ان قبروں کے اندر زندہ نہیں۔ ان کی زندگی برزخی ہے، دنیاوی نہیں۔ اب یہ سارے واضح دلائل اپنے خلاف موجود پانے کے بعد دوسرا رخ اختیار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ زندہ ہیں اس لیے اس دنیا میں بھی آتے جاتے رہتے ہیں...... لیکن اگر صحیح علم ہوتا تو شاید یہ بات نہ کہی جاتی کیونکہ حدیث میں صاف صاف آ گیا ہے کہ جنت سے نہ تو شہداء کی روحیں ہی اس دنیا میں واپس آ سکتی ہیں اور نہ خود شہداء اپنے جسم کے ساتھ۔

شہداء نہ تو روحانی طور پر اور نہ جسمانی طور پر اس دنیا میں واپس آ سکتے ہیں

امام احمد اور ابوداؤد کی روایت ہے:

......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْ لَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِاَ صُحَابِهٖ اِ نَّهٗ لَمَّا اُصِيْبَ اِخْوَانُكُمْ يَوْ مَ اُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْ فِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَاْ كُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَ تَاْوِيْ اِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُّعَلَّقَةٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْ شِ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَاْ كَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيْلِهِمْ قَالُوْا مَنْ يُّبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا اَنَّنَا اَحْيَآءٌ فِي الْجَنَّةِ لِئَلَّا يُزْهَدُوْا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَنْكُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ...... الى آخر الايات......(رواه ابوداؤد: كتاب الجهاد / مشكوٰة، صفحه ۳۳۵)

......عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کہا کہ جب تمہارے بھائی احد کے دن شہادت سے ہمکنار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو اڑنے والے سبز قالبوں میں ڈالدیا اور انہوں نے جنت کی نہروں پر آنا جانا شروع کردیا۔ وہ جنت کے پھل کھانے لگے اور عرش کے نیچے لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں آرام کرنے لگے۔ جب اس طرح انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی آسائشیں مہیا پائیں تو آپس میں کہا کہ کون (دنیا میں) ہمارے بھائیوں تک ہمارے بارے میں یہ بات پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ برتیں اور جہاد کے وقت کم ہمتی نہ دکھائیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں یہ بات پہنچادوں گا۔ پھر مالک نے (سورہ آل عمران کی) یہ آیتیں نازل کیں کہ **جولوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو، وہ حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پارہے ہیں۔**

اس حدیث کے الفاظ صاف بتارہے ہیں کہ شہداء جنت میں زندہ ہیں اور یہ بھی کہ وہ دنیا میں واپس نہیں آسکتے، نہ تو روحانی طور پر اور نہ جسمانی طور پر، ورنہ خود آکر اپنا حال بتادیتے اور اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں آیتیں نازل کرنا نہ پڑتیں۔ دراصل روحوں کے دنیا میں آنے جانے کے قصے خالص مشرکانہ افسانے ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں قرآن کی اس آیت کے بعد لکھا ہے:

يُخْبِرُ تَعَالٰى عَنِ الشُّهَدَآءِ بِاَنَّهُمْ وَاِنْ قُتِلُوْا فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ فَاِنَّ اَرْوَاحَهُمْ حَيَّةٌ مَرْزُوْقَةٌ فِيْ دَارِالْقَرَارِ

''اللہ تعالیٰ شہداء کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ ہر چند کہ وہ اس دنیا میں شہید کیے گئے ہیں مگر ان کی روحیں دارالقرار (جنت) میں زندہ ہیں اور انہیں رزق ملتا ہے۔''

یہی بات امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ شہداء کی روحیں جنت میں سبز اڑنے والے قالبوں میں ہیں۔ (مسلم: كتاب الامارة) اس طرح سے قرآن اور حدیث کی رو سے صاف معلوم ہوگیا کہ شہداء کی روحیں ان قبروں میں اپنے جسموں کے اندر نہیں ہیں اور نہ ان سے ''یک گونہ'' تعلق ہی باقی رہا ہے، ورنہ ایک روح کے بجائے کم سے کم دو روحوں کا ماننا ضروری ہوجائے گا۔ ایک جو جنت میں رہے اور دوسری قبروں والی جس سے آج اولاد مانگی جاتی ہے، دولت طلب کی جاتی ہے۔ آخر وہ کون سی روح ہے جو جنتوں کی راحت چھوڑ کر قبروں کے اندھیروں میں جانا یا رہنا پسند کرے گی؟ اس بات کی تائید جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد کوئی دنیا میں پھر واپس نہیں جاسکتا کہ وہاں جاکر زندہ رہے:

.... عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ نَظَرَ اِلَیَّ رَسُوْ لُ اللّٰہِ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ فَقَالَ یَـا جَابِرُ مَالِیْ اَرَاکَ مُھِمًّا قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُسْتُشْھِدَ اَبِیْ وَتَرَکَ دَیْنًا وَّعِیَا لًا قَـالَ فَـقَـالَ اَلاَ اُخْبِـرُکَ مَـا کَـلَّـمَ اللّٰہُ اَحَدًا قَطُّ اِلاَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ وَ اِنَّہٗ کَلَّمَ اَبَـاکَ کِـفَاحًا قَالَ سَلْنِیْ اُعْطِکَ قَالَ اَسْئَلُکَ اَنْ اُرَدَّ اِلَی الدُّنْیَا فَاُقْتَلَ فِیْکَ ثَانِیَۃً فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ اِ نَّہٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّیَّ الْقَوْلَ اَنَّھُمْ اِلَیْھَا لاَ یُرْجَعُوْنَ

(رواہ الترمذی والبیھقی:کتاب التفسیر، تفسیرسورۃ آل عمران)

.... جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ کیا بات ہے میں تم کو بہت غمزدہ پا رہا ہوں؟ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب میں عرض کیا کہ والد صاحب (احد میں) شہید ہو گئے اور ان پر قرض باقی ہے اور کنبہ بڑا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جابر کیا تم کو میں یہ بات نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے بھی بغیر پردے کے بات نہیں کی مگر تمہارے باپ سے آمنے سامنے ہو کر کہا کہ عبداللہ مانگو تم کو دوں گا۔تمہارے باپ نے کہا کہ مالک مجھے پھر دنیا میں واپس لوٹا دے تاکہ میں دوسری بار تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔اس پر مالک عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے یہ بات کہی جا چکی ہے کہ لوگ دنیا سے چلے آنے کے بعد پھر اس کی طرف واپس نہ جاسکیں گے۔

صاف معلوم ہو گیا کہ مرنے والا چاہے نبی ہو چاہے شہید، دنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔جس کی بھی وفات ہو گئی، اس کی دنیاوی زندگی ختم ہو گئی؛ اب وہ قیامت تک برزخی زندگی گزارے گا۔ یہ دنیا سے روانگی جس کو موت کے نام سے پکارا جاتا ہے، ہر فرد بشر کے لیے مقدر ہے۔ نبی ﷺ کی وفات پر جب بعض اصحاب کو یہ خیال ہوا کہ نبی ﷺ پر موت طاری نہیں ہو سکتی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور کہا کہ

اَلاَ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْمَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ وَ قَالَ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (الزمر:۳۰) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِئنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ اِلٰی ...... الشّٰکِرِیْنَ (اٰل عِمران:۱۴۴)

(بخاری:کتاب المناقب،صفحہ۵۱۷)

''سن لو کہ جو محمد ﷺ کو پوجتا تھا تو محمد ﷺ کو تو موت آ گئی اور جو اللہ تعالیٰ کا پجاری تھا اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ زندہ جاوید ہے اسے موت نہیں۔'' پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ دو آیتیں پڑھیں: (اے محمد ﷺ) تم کو بھی موت آنی ہے اور یہ لوگ بھی مر کے رہیں گے..... محمد (ﷺ) اس

حدیث کے الفاظ میں **مَنْ رَاٰنِی** (یعنی جس نے مجھے) دیکھا صاف بتلا رہے ہیں کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے زندگی میں نبی ﷺ کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا تھا؛ شمائل کی کتابوں میں سراپا پڑھ لینے والے نہیں۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ بتائی کہ شیطان میری شکل وصورت اختیار نہیں کرسکتا؛ یہ نہیں کہا گیا کہ مجھے زندگی میں نہ دیکھنے والوں کو وہ خواب کے ذریعہ دھوکہ میں نہیں ڈال سکتا اور کسی دوسری صورت کے ذریعہ نہیں کہلوا سکتا کہ میں تمہارا نبی محمد ﷺ ہوں، تاکہ وہ شخص جس نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا ہے اس کے فریب میں آجائے۔ اب اس معقول بات سے گریز کے لیے دوسری بات کہی جانے لگتی ہے کہ اگر خواب میں آنے والی یہ صورت قرآن و حدیث کے مطابق بات کہے تو وہ نبی ﷺ ہی کی صورت ہوسکتی ہے کیونکہ شیطان حق بات نہیں بتا سکتا.......... یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بخاری (کتاب الوکالۃ) ہی کی روایت میں آتا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو شیطان نے آیت الکرسی کی صحیح فضیلت بتلائی تھی اور نبی ﷺ نے اس کی بات کی ان الفاظ میں تصدیق کی تھی: **اَمَا اِنَّهٗ صَدَقَکَ وَھُوَ کَذُوْب** (یعنی حقیقت یہ ہے کہ اس نے تم کو سچی بات بتلائی ہر چند کہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے)۔ معلوم ہوا کہ شیطان سچی بات بھی بتلا سکتا ہے۔

دراصل یہ خواب کا معاملہ ایک کاروبار کی حیثیت اختیار کرچکا ہے۔ بہت سے لوگ نبی ﷺ کے خواب میں آنے کا قصہ سنا سنا کر اپنی فضیلت اور بزرگی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، اور جھوٹے خواب بیان کرنے والے کے متعلق نبی ﷺ کی وعید سے بے پرواہ نظر آتے ہیں۔ کچھ دوسرے اسے ضعیف الاعتقاد لوگوں کے مال کو ہتھیانے کا ذریعہ بناتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ تشریف لائے تھے اور ارشاد فرمایا تھا کہ میرے فلاں عاشق صادق کے پاس چلے جاؤ وہ تمہاری حاجت پوری کردے گا.......... اسی طرح کبھی کسی کے متعلق یہ اظہار خیال کردیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے خواب میں آکر یہ بتایا ہے کہ ''وہ'' فی الوقت امت کا سب سے بڑا عالم یا سب سے بڑا ولی ہے اور یہ بھول جایا جاتا ہے کہ ان باتوں پر یقین لانا اللہ تعالیٰ کے اکیلے حیّ وقیوم ہونے اور غائبانہ تصرفات کا اختیار رکھنے میں نبی ﷺ کو شریک ٹھہرانا ہے اور ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ دنیا میں زندہ ہیں اور امت کے احوال سے واقف ہی نہیں بلکہ خواب میں آآکر لوگوں کو اس سے باخبر بھی کرتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بالکل خلاف اور اس کی

کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر گئے ہیں۔ پس کیا اگر یہ مرجائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے پیروں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پیروں پھر جائے، وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو جزا دے کے رہے گا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کی موت کا یقین آ گیا اور ان کی زبان پر یہ آیتیں جاری ہوگئیں۔ وفات نبی ﷺ کا مسئلہ ایسا عظیم الشان مسئلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سب سے بڑے دو ولیوں کے ذریعہ اس پر ''اجماع'' کروا دیا۔ کوئی دوسرا مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر ایسا اجماع ہوا ہو۔ اور وجہ بھی ظاہر ہے کہ حیات بعد الممات ہی ایسا اعتقاد ہے جو شرک کی اصل جڑ ہے۔ اسی طرح حدیث کی کتابوں میں بے حساب صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن سے نبی ﷺ کی موت کی تصدیق ان الفاظ میں موجود ہے: مَاتَ، قُبِضَ، خَرَجَ مِنَ الدُّنیَا وغیرہ۔ مگر کسی کتاب میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے موت کے بعد زندہ ہونا منقول نہیں ہے اور نہ کسی محدث نے ''وَفَاتُ النَّبِیِّ ﷺ'' کے باب کے بعد ''حَیَاتُ النَّبِیِّ ﷺ بَعْدَ وَفَاتِہٖ'' (نبی ﷺ کی وفات کے بعد ان کی زندگی) کا باب ہی مقرر کیا ہے۔

نبی ﷺ کا خواب میں آنا

نبی ﷺ کو دنیا میں زندہ ثابت کرنے اور انہیں علم و تصرف میں شریک ٹھہرانے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فلاں کے خواب میں آ کر یہ بتلا دیا اور فلاں کو۔ یہ اور اس کے ثبوت میں بخاری و مسلم کی صحیح روایتوں سے غلط استدلال کیا جاتا ہے مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں یہ باب باندھا ہے: بَابُ مَنْ رَّاَی النَّبِیَّ ﷺ فِی الْمَنَامِ (باب: جس نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا) پھر سب سے پہلے یہ روایت لائے ہیں:

.... اَنَّ اَبَاھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ اِذَارَاٰہُ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بخاری: کتاب التعبیر، جلد ۲، صفحہ ۳۵)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں ابن سیرین رحمہ اللہ نے کہا کہ جب کوئی نبی ﷺ کو ان کی اپنی صورت پر دیکھے''

صفات علم وتصرف میں کھلا شرک ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا کسی کے خواب میں آ کر اسے مجمع کے سامنے تقریر کرنے کا حکم دینا اور اس تقریر کی تعریف وتحسین کرنا پھر اس خواب کو خواب دیکھنے والے کی فضیلت اور بزرگی کا ثبوت ٹھہرانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اعاذنا اللّٰہ

نبی ﷺ کو حیات، علم اور تصرف میں اللہ کا شریک ٹھہرانے کے لیے یہ جو خواب کا کھیل کھیلا گیا ہے، اسے اب بند ہو جانا چاہیے اللہ فرماتا ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (المآئدۃ:۱۰۹)

’’قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سارے پیغمبروں کو جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہاری امت نے کہاں تک دعوت الٰہی کی اجابت کی؟ سارے پیغمبر کہیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں (کہ انہوں نے ہمارے پیچھے کیا کچھ کیا)، غیب کا علم رکھنے والا تو صرف تو ہے۔‘‘

قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کا جواب تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ (المآئدۃ:۱۱۷)

’’اور میں جب تک ان میں قیام پذیر رہا ان کے احوال کی نگرانی کرتا رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو (اے مالک) صرف تو ان پر نگراں باقی رہ گیا۔‘‘

عیسیٰ علیہ السلام اس طرح اپنے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی اپنی زبان سے نفی کریں گے۔ اسی طرح محمد ﷺ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث روایت کی ہیں کہ میرے امتی میری طرف حوض کوثر پر آتے آتے جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے اور میں آواز دوں گا کہ ہاں ہاں یہ میرے امتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا جائے گا:

اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ (بخاری: کتاب التفسیر، صفحہ ۶۶۵)

’’تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں۔‘‘

اگر نبی ﷺ کو اپنی وفات کے بعد امت کے حالات کی خبر ہوتی تو وہ ان لوگوں کے جہنم کی طرف جانے پر ہرگز تعجب نہ کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات کہی جاتی کہ اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ثابت کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ نبی ﷺ وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور امت کے حالات سے باخبر بھی اور بعض افراد کو ان حالات سے آگاہ بھی کرتے رہتے ہیں، تو یہ بات کتاب الٰہی کے سراسر خلاف اور صفت حیات، علم وتصرف میں کھلا شرک ہے۔ سلطان نورالدین زنگی کا

سیسہ کی دیواروں والا مشہور قصہ بھی اسی قبیل سے ہے، بے اصل و بے بنیاد۔ رہے مبشرات، تو جب وہ حق ثابت ہو جائیں تب یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سچے تھے ورنہ محض ''اَضْغَاثُ اَحْلَام''۔ کسی کا خواب دیکھ کر یہ کہنا کہ ایسا ہونے والا ہے، یا تو الوہیت کا دعویٰ ہے یا نبوت کا۔

رائی کا پربت

اللہ جانے کہ لوگوں نے جو نبی ﷺ کے خواب میں آنے کے بے حساب افسانے تراش لیے ہیں، ان سے ان کا مطلب کیا ہے؟ اگر کہنا یہ ہے کہ نبی ﷺ خواب دیکھنے والے کے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس سے فائدہ؟ خواب دیکھنے والا تو سو رہا ہوتا ہے۔ اور اگر دماغ کے اندر آنا مراد ہے تو بہر حال خیالات میں آنا ہی مراد ہو سکتا ہے، حسی اور وجودی آمد تو نہیں۔ کیا کہنے والے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو امت کے حالات کا علم ہوتا ہے اور وہ اپنے امتی کی ضروریات اور حاجات سے باخبر رہتے ہیں اور جب بھی جس کے لیے مناسب سمجھتے ہیں، اپنی قبر سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور سوتے میں اس کے دماغ یا خیالات میں داخل ہو کر اسے جو کچھ بتانا ہوتا ہے، بتا دیتے ہیں؛ اور اتنی دیر کے لیے مدینہ منورہ میں قبر خالی رہ جاتی ہے۔ اور اگر ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں مختلف لوگ آپ ﷺ کا خواب دیکھیں تو بیک وقت آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں...... کیا خوب! اور پھر وہ جس نے کبھی نبی ﷺ کو حیات میں نہ دیکھا، ہو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں نے نبی ﷺ ہی کو دیکھا ہے؟ دراصل یہ روایت جو آئی ہے، وہ لوگوں کے کاروبار دینداری کو چمکانے کے لیے نہیں آئی ہے، بلکہ یہ بتاتی ہے کہ نبی ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ شیطان آپ ﷺ کا روپ نہیں دھار سکتا؛ جس طرح حدیث میں یہ خصوصیت آئی ہے کہ ہر فرد بشر کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے؛ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے: وَلٰكِنَّ اللّٰهُ اَعَانَنِىْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ ''مگر اللہ نے میری مدد کی اور وہ شیطان میرا مطیع ہو گیا۔'' (مسلم: کتاب صفات المنافقین / مشکوٰۃ صفحہ ۱۸)

جس طرح نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت کے ذریعہ شیطان کے شر سے محفوظ فرما دیا، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی دوسری خصوصیت کے ذریعہ اس کے شر سے بچا لیا۔ ورنہ آپ ﷺ کی زندگی میں، جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم عرب کے دور دراز مقامات پر

عامل بنا کر بھیج دیے گئے تھے، شیطان اگر یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے خواب میں نبی ﷺ کے روپ میں آ کر کہتا کہ پہلے جبکہ امت کی تعداد کم تھی، فجر کی صلوٰۃ سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جاتی تھی، اب کہ کثرت ہوگئی ہے اس لیے آسانی کے پیش نظر سورج نکلنے کے بعد پڑھی جانی چاہیے، تو معاذ رضی اللہ عنہ کس قدر الجھن میں پڑ جاتے کیونکہ خواب میں آنے والی صورت تو جانی پہچانی نبی ﷺ کی صورت ہوتی؛ اب دریافت حال کے لیے آدمی بھیجیں تو مہینوں کا سفر ...... اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مشکل سے بچالیا۔

اصولی بحث

بعض چابکدست اس حدیث کے سلسلہ میں یہ بات اٹھاتے ہیں کہ مَنْ رَاٰنِیْ میں مَنْ عام ہے، تم نے اس سے صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے مراد لے لیا؟ کاش ان کو کوئی یہ بتائے کہ اگر مَنْ کو عام مانتے ہو تو پھر اپنے اعتقاد کے خلاف یہ بھی مانو کہ نبی ﷺ کو ایک مشرک اور قادیانی بھی خواب میں دیکھ سکتا ہے...... دوسری بات اصولی ہے اور وہ یہ کہ "مَنْ"، "کُلُّ" کی طرح خاص بھی ہوسکتا ہے جیسے اصول سرخسی کی عبارت صاف بتاتی ہے:

"کَلِمَةُ کُلُّ وَهِيَ تَحْتَمِلُ الْخُصُوْصَ نَحْوَ کَلِمَةُ مَنْ"

(اصول سرخسی: جلد ۱، صفحہ ۱۵۷، سطر ۱۸، ۱۹)

ناقابل اعتبار روایتیں

افسوس کہ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اب گھڑی ہوئی اور ناقابل اعتبار روایتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ قبر میں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے؛ امت کا صلوٰۃ وسلام ان تک پہنچتا ہے؛ صلوٰۃ وسلام ہی نہیں، امت کے اعمال بھی ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں........... کاش! ان روایتوں کی حیثیت کا لوگوں کو صحیح علم ہوتا۔ مناسب ہے کہ ان روایتوں کی اصل حقیقت واضح کردی جائے۔

قبر میں زندگی، کھانا پینا اور صلوٰۃ

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ سب کو مرنا ہے اور مرنے کے بعد صرف قیامت کے دن ہی اٹھنا ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ (المومنون ۱۵، ۱۶)

"(دنیاوی زندگی کے بعد) تمہیں ایک دن ضرور مرنا ہے اور پھر روز قیامت ہی اٹھایا جانا ہے۔"

یہ اصول عام ہے، اس میں کوئی استثنٰی نہیں۔ لیکن لوگ قبر میں دنیاوی زندگی کے ثبوت میں جھوٹی روایات لاتے ہیں۔ جیسے ابن ماجہ (کتاب الجنائز) کی روایت

.... فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ فِی الْقَبْرِ ...... یُرْزَقُ

''اللہ کا نبی قبر میں زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔''

پوری سند یوں ہے:

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْمِصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ وَھْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ ھِلَالٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَیْمَنَ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ نَسَیٍّ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ....

اس روایت میں ارسال و انقطاع ہے کیونکہ زیدؔ بن ایمن کا عبادؔہ بن نسی سے اور عبادہ بن نسی کا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ نیز راوی سعید بنؔ ابی ہلال کو ابن حزؔم نے ضعیف کہا ہے۔ ابوبکرؔ ابن العربی المالکی کہتے ہیں کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔

(تہذیب التہذیب: جلد ۳، صفحہ ۳۹۸ / التاریخ الکبیر للبخاری: جلد ۲، صفحہ ۳۵۴)

رہی بیہقیؔ کی روایت کہ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ (انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ ادا کرتے ہیں)، تو وہ بھی ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اس کا راوی حسن بن قتیبہ خزاعیؔ ہے جس کو

☆ امام ذہبیؔ ھُوَھَالِکٌ (وہ ہلاک کرنے والا ہے) کہتے ہیں؛

☆ دارقطنیؔ اسے مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ، ابوحاتمؔ ضَعِیْفٌ، ازدیؔ وَاھِیُّ الْحَدِیْثِ (بے بنیاد روایتیں بیان کرنے والا) اور عقیلیؔ کَثِیْرُ الْوَھْمِ (بہت وہمی) کہتے ہیں۔

(میزان الاعتدال: جلد ۱، صفحہ ۲۴۱ / لسان المیزان: جلد ۲، صفحہ ۲۴۶)

حافظ ابنؔ قیم نے اَلصَّوَاعِقُ الْمُرْسَلَۃُ میں اپنے قَصِیْدَۃُ نُوْنِیَۃ میں ان روایتوں کے بارے میں کہا ہے: ؎ وَحَدِیْثُ ذِکْرِ حَیَاتِھِمْ بِقُبُوْرِھِمْ...... لَمَّا یَصِحُّ وَظَاھِرُ النَّکْرَانِ

''قبر میں انبیاء علیہم السلام کی زندگی جس روایت میں مذکور ہے، وہ صحیح نہیں اور اس کا منکر ہونا صاف ظاہر ہے۔''

اور رہی ابویعلیٰؔ کی روایت، تو اس میں مستلم بنؔ سعید اور حجاج بن الاسود دونوں ضعیف ہیں۔

مستلم بن سعید: ابن حجؔر لکھتے ہیں کہ رُبَّمَا وَھَمَ یعنی کبھی کبھی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(تقریب التہذیب: صفحہ ۴۸۸)

شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کو دو حدیثیں بھی یاد ہیں۔

(تہذیب التہذیب :جلد ۱۰، صفحہ ۱۰۴)

حجاج بن الاسود: ثابت البنانی سے منکر روایت نقل کرتے ہیں۔ یہ لکھ کر ابن حجر اور الذہبی نے یہی روایت ثبوت کے طور پر پیش کی۔

(لسان المیزان:جلد۲ ،صفحہ ۱۷۵/میزان الاعتدال :جلد ۱، صفحہ ۲۱۴)

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں صلوٰۃ ادا کرنا

اسی طرح مسلم (کتاب الفضائل) کی اس روایت سے مردوں کی قبر میں زندگی پر استدلال کیا جاتا ہے جس میں نبی ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَالْكَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی اس قبر کے پاس سے گزرا جو سرخ رنگ کے ٹیلے کے قریب ہے، وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے صلوٰۃ ادا کر رہے تھے۔''

اس روایت سے قبر والوں کے شیدائیوں نے قبر میں زندگی کے اس بودے سہارے کو دانتوں سے پکڑ لیا ہے حالانکہ اسی صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر کر جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے دیکھا اور بعد میں ان کی امامت کر کے انہیں صلوٰۃ پڑھائی۔ قبر کے ان پروانوں کی ہر ادا نرالی ہے! صرف قبر میں زندہ ثابت کرنے ہی سے ان کا کام چل گیا، آخر بیت المقدس میں بھی کیوں زندہ نہیں مانتے کیونکہ ان کے لحاظ سے تو بیت المقدس میں موسیٰ علیہ السلام کی اس دنیا میں زندگی کا آخری ثبوت ملتا ہے۔

مزید برآں ان کا کہنا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی انبیاء کرام محمد ﷺ سے پہلے براق اور جبرئیل علیہ السلام کی رفاقت کے بغیر آسمانوں پر پہنچ گئے؛ اور اس برگزیدہ زمرہ میں صرف فوت شدہ انبیاء علیہم السلام ہی نہیں، بلکہ زندہ نبی عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے! کیا اس ناسمجھی کی بات کو مان لینے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ اصلی معراج محمد ﷺ کی نہیں، بلکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ہوئی ہے؟ اور یہ بات قرآن اور حدیث کی تکذیب سے کم نہیں۔ افسوس کہ معراج کے ایک معجزہ کے ذریعہ قبر کی زندگی پر مشرکانہ استدلال کیا جاتا ہے حالانکہ معراج کی رات پوری کی پوری معجزہ کی

رات ہے۔ دوسری صریح روایت جو موسیٰ علیہ السلام کی موت کا ثبوت ہے، نبی ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ

وَلَوْ كَانَ مُوسىٰ حَيًّامَّاوَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيُ (احمد بحواله مشكوة صفحه ٣٠)

''اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے، تو ان کو میری پیروی سے مفر نہ ہوتا۔''

اب بتاؤ تمہاری بات مانیں یا نبی ﷺ کی؟

عالم مثال ایک غلط اصطلاح ہے

دوسری طرف کچھ اور لوگ ہیں جو ان باتوں کو عالم مثال کا معاملہ ٹھہرانے پر مصر ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض کیا جا سکتا ہے کہ جناب اس عالم مثال کو آپ نے اپنی طرف سے کیوں ایجاد کرلیا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول محمد ﷺ نے تو اس عالم کا کہیں ذکر نہیں کیا؟ وہاں تو صرف ''عالم برزخ'' کا ذکر ہے اور بس۔ جواب مل سکتا ہے کہ بھائی واقعہ تو یہی ہے مگر کیا کریں بغیر ایسے ایک عالم کے تصور کے، حدیث و قرآن کی بہت سی باتوں کی توجیہ ہی ممکن نہیں ہے۔ کیا خوب! آخر مالک نے کب یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ متشابہات کو محکمات کی طرح سمجھنا انسان پر لازم ہے یہاں تک کہ اگر اس راہ میں کوئی مشکل پیش آجائے تو اپنی طرف سے کچھ تخفیف اور اضافہ کی بھی اجازت ہے؟ حقیقت یوں ہے کہ یہ شریعت کے خلاف طریقت کی چیرہ دستیوں کی لاتعداد مثالوں میں سے ایک روشن مثال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مذکورہ عالم میں جو اصل کے لحاظ سے برزخی ہے، روح کو لامحدود وسعتیں عطا کر کے مثالی جسم میں ڈال دیا جاتا ہے...... یہ سب اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ اور فوت شدہ بزرگوں سے اسی دنیا میں عالم بیداری کے اندر ملاقات کے جھوٹے قصوں کے لیے دلیل مہیا کردی جائے۔ قرآن و حدیث اس مخترعہ عالم مثال کو ماننے سے انکاری ہیں۔ قرآن فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف اٹھا لیے گئے ہیں اور قیامت کے قریب پھر زمین پر اتریں گے۔ بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت قرآن کی تصدیق کرتی ہے اور تفصیل بیان کرتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ○ (النسآء: ۱۵۸، ۱۵۹)

’’بلکہ حق یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور ہر اہل کتاب اپنی☆ (یا ان کی) موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ بنیں گے۔‘‘

پس عیسیٰ علیہ السلام اگر اللہ کے پاس آسمان پر زندہ ہیں اور صرف قرب قیامت ہی میں زمین پر اتریں گے، تو ان کے لیے برزخی زندگی اور ان کی روح کا مثالی جسم میں ڈالا جانا سفاہت کی اعلیٰ مثال سے کم نہیں۔ اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح (کتاب فضائل الصحابہ) میں یہ روایت لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے اندر بلال رضی اللہ عنہ کے پیروں کی چاپ اپنے آگے آگے سنی حالانکہ بلال رضی اللہ عنہ دنیا میں زندہ اور مکہ میں مقیم تھے، اور ان کو اس بات کی بالکل خبر نہ تھی۔ معلوم ہوا کہ روح کی موجودگی بھی معجزہ کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح جبرئیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آنا اور مریم بتول کے پاس بَشَرًا سَوِيًّا کی شکل میں متشکل ہونا، برزخ کا معاملہ نہیں بلکہ اسی حیاتِ دنیا کا معاملہ ہے۔

مناسب ہے کہ سیدھی طرح ان ساری باتوں کو معجزہ مان لیا جائے جیسے کہ وہ ہیں اور غیر اسلامی اصطلاحات کے اختراع سے باز رہ کر چندے اور صبر کر لیا جائے، قیامت کچھ بہت زیادہ دور نہیں۔ آخر عالم بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں سے ملاقاتوں کے یہ افسانے، ان ناپائیدار فلسفیانہ بنیادوں پر کب تک قائم کیے جاتے رہیں گے اور کب تک لوگوں میں اپنے آپ کو متنبّی ثابت کرنے کے لیے ان جھوٹے معجزات کا چرچا ہوتا رہے گا؟

شرک کے ستون

افسوس کہ ملت کے اندر شرک کے ان ستونوں، وسیلۂ ذات، سماعِ موتیٰ، مکاشفہ اور دوبدو ملاقات کو امت کے اپنے نام نہاد معماروں نے مستحکم کیا ہے! دراصل قبر کی اس مزعومہ زندگی اور اس کے متعلقات کے عقیدہ نے دنیا کے ایمان کو برباد کر ڈالا ہے اور یہی شرک کی اصل جڑ ہے۔ اسی فاسد عقیدے کے برتے پر تو لوگ قبروں پر مراقبہ اور چلہ کشی کرتے ہیں اور سلام کر کے صاحب قبر سے جواب کے منتظر رہتے ہیں۔ کوئی صاحب قبر سے ہاتھ ملاتا ہے اور

☆ یہاں غالباً سہو ہوا ہے ورنہ اس معاملے میں بھی ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف قرآن وحدیث کے مطابق تھا اور وہ مَوْتِهٖ کی ضمیر غائب کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع سمجھتے ہوئے یہاں ہر اہل کتاب کی نہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت مراد لیتے تھے جیسا کہ آیت سے پہلے کی عبارت سے ظاہر ہے۔

کوئی معانقہ کرنے پر مصر نظر آتا ہے۔ بعض ظالموں نے تو یہ تک ایجاد کرلیا ہے کہ قبر کے پاس بندرہ کر بزرگان دین اپنے نبی ﷺ سے تبلیغ وارشاد کے طریقے سیکھ چکے ہیں! معاذ اللہ۔

نبی ﷺ پر امت کے اعمال کا پیش کیا جانا اور قبر میں نبی ﷺ کی زندگی

محدثین کا اجماع ہے کہ عرض اعمال کی یہ روایت من گھڑت ہے۔ روایت یوں ہے:

عَنِ ابْنِ الْمُبَارَکِ نَا رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ عَنِ الْمَنْھَالِ بْنِ عَمْرٍ وَاَنَّهٗ سَمِعَ سَعِیْدٍ بْنِ الْمُسَیَّبِ یَقُوْلُ لَیْسَ مِنْ یَوْمٍ اِلَّا یُعْرَضُ فِیْهِ عَلَی النَّبِیِّ اُمَّتُهٗ غُدْوَۃً وَّعَشِیَّۃً فَیَعْرِفُھُمْ بِاَسْمَائِھِمْ وَاَعْمَالِھِمْ فَلِذَالِکَ یَشْھَدُ عَلَیْھِمْ (التذکرۃ)

''ابن المبارک نے کہا کہ مجھ سے ایک انصاری شخص نے اور اس نے المنہال بن عمرو سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ نبی ﷺ پر آپ ﷺ کی امت صبح وشام پیش نہ کی جاتی ہو اور آپ ﷺ امتیوں کو ان کے ناموں اور اعمالوں کے ساتھ پہچان نہ لیتے ہوں تاکہ ان پر گواہی دیں۔''

یہ حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی سے منسوب کی جانے والی غلط بات ہے۔ پھر رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ کا نام ہے نہ پتہ! نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس روایت کا ذکر ہے۔ قرآن کریم یہ قاعدہ کلیہ بیان فرماتا ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المومنون:۱۰۰)

''سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) حائل ہے دوسری زندگی کے دن تک۔''

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف:۵)

''اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔''

یہی بات صحیح بخاری میں مختلف مقامات پر آئی ہے مثلاً

يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِیْ فَیُؤْخَذُ بِھِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ اُصَیْحَابِیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَااَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ کَمَاقَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ (المآئدۃ:۱۱۷)

فَیُقَالُ اِنَّ ھٰؤُلَآءِ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِیْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ مُنْذُ فَارَقْتَھُمْ

(بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ المائدۃ، جلد۲، صفحہ ۶۶۵)

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، اور پھر وہ بائیں

طرف (یعنی جہنم کی طرف) لے جائے جانے لگیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے رب یہ تو میرے امتی ہیں (جہنم کی طرف کہاں چلے)۔ اس وقت مجھ سے خطاب کیا جائے گا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں۔ جواباً میں وہی کہوں گا جو عبد صالح (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کا قول قرآن میں ہے کہ میں جب تک ان میں قیام پذیر رہا ان کے احوال کی نگرانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو صرف تو ان پر نگران باقی رہ گیا۔ پھر مجھے بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے رخصت ہو جانے کے بعد برابر الٹے پیروں واپس پھرتے گئے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نبی ﷺ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہوتے تو ان کو ان بدعتیوں کے معاملہ میں یہ تعجب نہ ہوتا۔ نبی ﷺ کا زندگی میں یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے:

تُعۡرَضُ الۡاَعۡمَالُ یَوۡمَ الۡاِثۡنَیۡنِ وَالۡخَمِیۡسِ فَاُحِبُّ اَنۡ یُّعۡرَضَ عَمَلِیۡ وَاَنَا صَائِمٌ

(رواہ الترمذی: کتاب الصوم/مشکوٰۃ، صفحہ ۱۸۰)

"نبی ﷺ نے فرمایا کہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں؛ اس لیے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دنوں میں جب میرے اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں۔"

معلوم ہوا کہ اعمالِ انسانی، اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، نبی ﷺ کے پاس نہیں۔ رہے وہ جو یہ عقیدہ رکھنے پر اصرار کریں کہ اعمال رسول ﷺ پر پیش ہوتے ہیں، تو وہ کھلے مشرک ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کو الٰہ بنا لیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے جسد کو مٹی نہیں کھاتی؟

اس ضعیف روایت سے ناسمجھ لوگ انبیاء علیہم السلام کی قبر میں زندگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے مردوں کے جسد کو تو مٹی کھا جاتی ہے مگر انبیاء کے جسد کو، باوجود مردہ ہونے کے، مٹی نہیں کھاتی۔ اس کمزور روایت سے انبیاء کے جسموں کی خصوصیت نکالی جاتی ہے حالانکہ بخاری میں مختلف مقامات پر صراحت موجود ہے کہ عمر بن خطاب اور عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہما وغیرہ کے جسم بھی محفوظ پائے گئے ہیں۔ (بخاری: کتاب الجنائز، جلد ۲، صفحات ۱۸۰ و ۱۸۲) پھر یہ انبیاء علیہم السلام کے جسد کی خصوصیت تو نہ ہوئی۔ بالفرض یہ بات مان بھی لی جائے تو اس سے علم کیسے ثابت ہوگا جبکہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے ان کو سو سال تک مردہ رکھا، ان کا جسم محفوظ رہا، مگر جب سوال کیا گیا کہ کتنی مدت موت کی حالت میں رہے ہوں گے، تو ان کو اپنے متعلق بھی کوئی علم نہ تھا چہ جائیکہ دوسروں کے متعلق کچھ معلوم ہوتا۔

نبی ﷺ کا درود قریب سے سننا اور دور سے اس کا پہنچایا جانا

جس روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ قبر کے قریب درود وسلام سنتے ہیں اور دور سے درود وسلام پہنچایا جاتا ہے، بناوٹی روایت ہے اور آگے زیارت قبر نبوی ﷺ کی فضیلت کی بناوٹی روایتوں کے ساتھ آرہی ہے؛ باقی سنن ابی داؤد میں جو درود کے پہنچائے جانے کی روایت آئی ہے، اس میں عبداللہ بن نافع راوی ضعیف ہے۔ ہاں اس بات میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں کہ اگر کوئی مومن بندہ نبی ﷺ پر درود پڑھے گا تو اس کو اس کا فائدہ ہوگا اور نبی ﷺ کو بھی اس کا فائدہ پہنچے گا اور ان کے درجات مزید بلند ہوں گے جیسے کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم تشہد کے کلمات پڑھتے ہو تو اس دعا کا فائدہ اللہ تعالیٰ کے ہر صالح بندہ کو پہنچتا ہے چاہے وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ ☆

(بخاری: کتاب الصلوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۵)

ظاہر ہے کہ صلح حدیبیہ (ذوالقعدہ ۶ھ) میں عثمان رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کی حراست میں رہے۔ صلوٰۃ کو وہ کسی حال میں ترک کرنے والے نہ تھے، مگر کسی بھی صلوٰۃ میں پڑھا ہوا درود نبی ﷺ تک نہ پہنچا ورنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لینے کے لیے وہ بیعت رضوان نہ لیتے اور کہہ دیتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں اور ان کا درود پہنچ رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کو کوئی دور سے سلام و درود سننے والا مانے یا قریب سے، بہرحال مشرکانہ عقیدہ کا حامل ہے۔ جب درود زندگی میں نہ پہنچا تو موت کے بعد کیا پہنچے گا!

سیّاحین ملائکہ

اسی طرح ملائکہ سیاحوں والی روایت بھی موضوع (گھڑی ہوئی) ہے:

اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ

(نسائی: کتاب السھو، صفحہ ۱۸۹ / مشکوٰۃ: صفحہ ۸۶)

اس روایت میں زاذان راوی ہے۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں اس کے متعلق کہتے ہیں: کَانَ یُخطِی کَثِیْراً یعنی وہ (حدیث کے معاملے میں) بہت زیادہ خطا کرتا تھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے

☆ اور مسلم کی روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ (مسلم: کتاب الصلوٰۃ)

سلمہ بن کہیل سے زاذانؔ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ابوالبختری میری نگاہ میں اس سے زیادہ اچھا ہے۔ زاذانؔ کے متعلق ابن حجرؔ عسقلانی تقریب التہذیب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ **فِیْـهِ شِیْعِیَّۃٌ** (اس میں شیعیت ہے) اور یہ معلوم ومشہور بات ہے کہ شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے اعمال ان کے اماموں پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان کا دوسرا باطل عقیدہ یہ ہے کہ مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو **حَقْوَۃ** (کمر) تک اس میں جان واپس آجاتی ہے۔ اپنے پہلے باطل عقیدہ کا اظہار زاذانؔ نے اس روایت میں کیا ہے اور دوسرے باطل عقیدہ کا اظہار روح کے بدن میں واپس لوٹائے جانے کی غلط روایت میں، جو اگلے صفحات پر آرہی ہے۔ اصول حدیث کا فیصلہ ہے کہ ایسا راوی جو حدیث میں اپنے فاسد عقیدہ کی تائید میں روایت لائے رد کر دیا جائے گا

اِنْ رَوٰی مَایُقَوِّیْ بِدْعَتَهٗ فَیُرَدُّ عَلَی الْمُذْهَبِ الْمُخْتَارِ

(نخبۃالمفکر لابن حجر:صفحہ ۷۳/ تہذیب التہذیب:جلد۳،صفحات ۳۰۲،۳۰۳/ التقریب التہذیب:صفحہ ۱۲۱)

اب اس جھوٹی روایت کی حیثیت بھی دنیا والوں کے سامنے ہے۔

نبی ﷺ کی وراثت کا تقسیم نہ ہونا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبی ﷺ قبر میں زندہ ہیں اسی لیے آپ ﷺ کی وراثت تقسیم نہ ہوئی اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح ناجائز ٹھہرا...... حالانکہ اس کی وجہ نبی ﷺ کی قبر میں ''زندگی'' نہیں بلکہ نبی ﷺ کا یہ قول ہے:

اِنَّا لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ (بخاری: کتاب الفرائض، جلد ۱، صفحہ ۹۹۵)

''ہمارے مال میں وراثت نہیں ہے، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''

چنانچہ اسی حکم کے مطابق ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے علی، فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہم کے معاملہ میں فیصلہ کیا۔ (بخاری: کتاب الفرائض، جلد ۱، صفحہ ۹۹۵،۹۹۶)۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ نبی ﷺ کی رسالت وتبلیغِ دین کی سعی پر کسی قسم کے حصولِ اجر کے شک کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ اسی طرح سے زکوٰۃ اور صدقات کو بھی خاندان رسول ﷺ پر ناجائز قرار دے دیا گیا ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نکاح ثانی کا مسئلہ

رہا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا، تو یہ بھی اس وجہ سے نہیں ہے کہ نبی

ﷺ قبر میں ''زندہ'' ہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اُمت کی مائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (الاحزاب:۶)

''اور نبی ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔''

اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ (الاحزاب:۵۳)

''اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔''

بوالعجبی دیکھیے کہ جن کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے، ان کی بیویوں کا تو نکاح ہو جائے لیکن جہاں یہ نہ کہا گیا ہو وہاں یہ بات نکالی جائے! شہیدوں کو اس دنیا میں زندہ ماننے والوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا زندگی کی حالت میں کسی کی بیوی کا دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے؟

السلام علیکم یا اہل القبور

اس طرح سے قبر پرستی کے لیے تنکے کا سہارا بھی موجود نہ پا کر کہا جانے لگتا ہے کہ ہر مومن مردہ قبر میں زندہ ہے؛ آخر نبی ﷺ نے مردوں کے لیے یہی دعا تو بتائی ہے جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ** ''سلام ہو تم پر اے قبروالو!'' اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب ہے اور خطاب سننے والے سے کیا جاتا ہے اور سننے والا زندہ ہوتا ہے......... یہ سب عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کیونکہ ہر عربی دان جانتا ہے کہ یہاں ''یا'' سے خطاب مراد نہیں بلکہ دعا مراد ہے جیسے ہم اپنی زبان میں اپنے مرے ہوئے باپ کے متعلق کہتے ہیں کہ اے میرے باپ! تم پر اللہ کی رحمت ہو، تم نے مجھے کیسی اچھی تعلیم دی تھی۔

جوتیوں کی چاپ سننے کا معاملہ

اسی طرح **اَلْمَيِّتُ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ** (مردہ جوتوں کی چاپ سنتا ہے) سے یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ قبر میں مردہ زندہ ہو جاتا ہے ورنہ جوتوں کی چاپ کیسے سنتا؛ اور بخاری و مسلم کی اسی حدیث کا آگے والا حصہ چھوڑ دیا جاتا ہے جس میں یہ آیا ہے کہ مومن سوال و جواب کے لیے اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور جب وہ جواب ٹھیک ٹھیک دے دیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ جہنم میں تیری یہ جگہ ہوتی (مگر تو ایمان لے آیا اس لیے) اب اس کے بجائے جنت میں یہ جگہ ہوگی۔ اس کے بر عکس معاملہ کافر و مشرک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ سوال و جواب کا معاملہ ہر مردہ کے ساتھ ہوتا

ہے۔اب جس شخص کا جسم جلا دیا گیا ہے یا جانوروں اور مچھلیوں نے جس کی لاش کھالی اس کا جسم ہی باقی نہ رہا تو اٹھا کر بٹھایا جانا، سوال و جواب کا ہونا اور اس دنیا میں اس کو جنت و دوزخ کا نظارہ کرایا جانا کیسے ممکن ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ سب اس دنیا کا معاملہ نہیں بلکہ برزخ کا معاملہ ہے اور یہ برزخ قرآن و حدیث کے لحاظ سے ایک آڑ ہے مرنے والے اور دنیا کے درمیان:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المومنون: ۱۰۰)

''اور مرنے والوں اور دنیا کے درمیان ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔''

فتح الباری میں ابن الحجر عسقلانی نے ابن منیر کی تشریح بیان کی ہے کہ یہاں فرشتوں کی چاپ مراد ہے۔ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ کے ان الفاظ کو بعض علماء نے کنایہ ہی کی حیثیت دی ہے اور کہا ہے کہ اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ جو میت قبر میں دفن کی جاتی ہے اس سے سوال و جواب اتنی جلدی شروع ہو جاتا ہے کہ ابھی جانے والوں کے قدموں کی آہٹ تک سنی جا سکتی ہے؛ یہی رائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بھی ہے وہ بھی اس کو کنایہ مانتے ہیں۔ (تقریر جنجوہی علی مسلم، کوکب الدری: جلد ا، صفحہ ۲۱۹) قرآن و حدیث کا متفقہ مسئلہ ہے کہ اس جسد عنصری سے روح نکلنے کے بعد صرف قیامت کے دن ہی واپس لوٹائی جائے گی۔

جنگ بدر کے مشرک مقتولین کا معاملہ

مناسب ہے کہ جنگ بدر کے مشرک مقتولین کے سلسلہ میں قلیب بدر والی حدیث بھی سامنے آجائے۔ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ اس واقعہ کے متعلق تین حدیثیں لائے ہیں جن میں قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین سے نبی ﷺ نے خطاب فرما کر کہا:

فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا (الاعراف: ۴۴)

فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتُكَلِّمَ مِنْ اَجْسَادٍ لَّااَرْوَاحَ لَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَااَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَّتَصْغِيْراً وَّنِقْمَةً وَّحَسْرَةً وَّ نَدَماً

(بخاری: کتاب المغازی، جلد ۱، صفحہ ۵۶۶، ۵۶۷)

''ہم نے اس وعدے کو جو ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا سچا پایا؛ تم بتاؤ کہ کیا تم نے بھی اس وعدے کو، جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا، سچا پایا؟'' اس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

اے اللہ کے رسول! جسد بے روح سے کب خطاب کیا جاتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ قتادہ رحمہ اللہ (اس روایت کے تابعی راوی) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مقتولین کو زندگی بخش دی تاکہ وہ نبی ﷺ کا کلام سن سکیں اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کو ذلت وخواری حسرت وندامت ہو۔

معلوم ہوا کہ قتادہ رحمہ اللہ کی رائے میں یہ سننا معجزہ کے طور پر تھا، معمول نہیں۔ اس کے بعد کی دو روایتوں میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ بھی بتا دیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

اِنَّهُمُ الْاٰنَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ ثُمَّ قَرَأَتْ: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (بخاری: کتاب المغازی، جلد ۱، صفحہ ۵۶۸)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ کا کہنا یہ تھا کہ اب ان کو اس بات کا پورا علم ہو گیا ہے کہ جو میں ان سے کہا کرتا تھا (یعنی یہ کہ مشرکوں اور کافروں کے لیے آگ ہے) حق تھا۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کی دو آیتیں مردوں کے نہ سننے کے بارے میں تلاوت فرمائیں جن کا مطلب یہ ہے: ''اے نبی ﷺ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے'' (النمل: ۸۰) ''اے نبی ﷺ تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے'' (فاطر: ۲۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حدیثوں کو لا کر بتا دیا کہ ان کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے۔

اس روایت کو بہانہ بنا کر لوگ کہتے ہیں کہ سماع موتی کا مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلافی مسئلہ تھا حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو اختلاف تھا وہ عام مُردوں کے سننے میں نہیں تھا بلکہ صرف اسی خاص واقعہ میں تھا اور وہ بھی یہ کہ بدر کے مقتولین معجزہ کے طور پر زندہ کیے گئے تاکہ وہ اپنی بے عزتی کو اپنے کانوں سے سن لیں یا سماع سے یہاں علم مراد ہے یعنی انہوں نے جان لیا ہے۔ اب دیکھیے کہ کیسی چابک دستی سے خاص کو عام بنا کر شرک کی بنیاد فراہم کر دی گئی!

ثابت ہوا کہ قبر کے باسی دنیاوی زندگی سے بالکل عاری ہیں؛ وہ نہ تو دنیا والوں کی پکار ہی سنتے ہیں کہ جواب دیں اور نہ ان میں اتنی بھی طاقت کہ دعا کو سن کر اللہ تک پہنچانے کا وسیلہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ (فاطر: ۱۴)

''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہ سن سکیں گے۔''

قرآن وسنت کا فرمان یہ ہو، اور شرک کے پرچارک مُردوں کو سننے والا مان کر زندہ ثابت کریں کیونکہ سماع اور حیات لازم وملزوم ہیں، افسوس!

نبی ﷺ کی قبر میں زندگی کی دوسری غلط روایتیں

(۱) ایک نا قابلِ اعتبار روایت بیان کی جاتی ہے کہ وَاقِعَةُ الْحَرَّةِ کے زمانہ میں، جو ذوالحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا، تین رات دن مسجد نبوی میں نہ تو اذان دی جا سکی نہ اقامت ہوئی لیکن سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد نہیں چھوڑی، وہ صلوٰۃ کا وقت قبر نبوی سے آنے والی ایک دبی دبائی آواز سے معلوم کر لیتے تھے (رواہ الدارمی بحوالہ مشکوٰۃ، صفحہ ۵۴۵)۔ اس کی سند یوں ہے:

اَخبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ

اور یہ دونوں ہی راوی نا قابل اعتبار ہیں: سعید بن عبدالعزیز کا سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے سماع نہیں، اس لیے روایت منقطع ہے اور مروان بن محمد کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے اور عقیلی کہتے ہیں کہ وہ گروہ مرجیہ میں سے تھا (میزان الاعتدال: جلد۳، صفحہ ۱۶۱)۔ درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت نا قابل اعتبار ہے کیونکہ صلوٰۃ کا وقت معلوم کرنے کے لیے قبر کے اندر سے آواز کی ضرورت نہ تھی، وقت تو یوں بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔

(۲) عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں اپنے اس گھر میں جس میں رسول اللہ ﷺ دفن ہیں دوپٹہ اتار کر داخل ہو جایا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ یہاں تو میرے شوہر ہیں یا میرے باپ ہیں لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن کر دیے گئے تو واللہ میں پوری طرح سر ڈھانپ کر داخل ہوتی تھی کیونکہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ سے شرم آتی تھی (رواہ احمد بحوالہ مشکوٰۃ: صفحہ ۱۵۴)۔ اس روایت کی سند یوں ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ اُسَامَةَ قَالَ نَا هِشَامٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ

اس روایت میں حماد بن اسامہ راوی کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ آخری عمر میں دوسروں کی کتابوں سے روایت کرتا تھا۔ وکیع کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن اسامہ (ابواسامہ) کو دوسروں کی کتاب عاریتاً لینے سے منع کیا اس نے اپنی لکھی ہوئی کتابیں دفن کر دی تھیں۔ الازدی نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے (تہذیب التہذیب: جلد۳، صفحہ ۲،۳)۔ ابن نمیر کا کہنا ہے کہ ابو اسامہ نے جانتے بوجھتے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کو عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کہا ہے (تہذیب التہذیب: جلد۶، صفحہ ۲۹۵، ۲۹۶)۔ یہ روایت عقلی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔ آخر

عمر رضی اللہ عنہ اگر منوں مٹی کے نیچے سے دیکھ سکتے تھے تو دوپٹہ کی آڑ کیا آڑ تھی!

روح کے بدن میں واپس لوٹائے جانے کی غلط روایات

(۱) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت کہ ہر مرنے والے کی روح سوال و جواب سے پہلے اس کے جسد میں لوٹا دی جاتی ہے:

......**فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ**...... (رواہ احمدبحوالہ مشکوۃ:صفحہ ۱۴۲)

یہ روایت بھی ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔سند یوں ہے:

عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ اَبِیْ مُعَاوِیَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ

عَنْ مِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو وعَنْ زَاذَانِ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ

اس روایت میں بھی شیعہ زاذان ہے، جس کو سلمہ بن کہیل ابو البختری سے بھی کمتر سمجھتے ہیں، اور دوسرا اس کا شاگرد منہال بن عمرو ہے۔عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبل کہتے تھے کہ ابو بشر مجھ کو منہال سے زیادہ بھلا لگتا ہے اور اس ابو بشر جعفر بن ایاس کو شعبہ نے ضعیف کہا ہے۔ابن معین منہال کی شان گراتے تھے۔حاکم نے کہا کہ یحیٰی بن القطان علیہ رحمۃ اللہ اس کو ضعیف گردانتے تھے اور ابو محمد بن حزم بھی اس کو ضعیف کہتے تھے اور اس کی اس براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی روایت کو ردّ کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب :جلد ۱۰ صفحات ۳۱۹، ۳۲۰/ میزان الاعتدال: جلد۳،صفحہ ۲۰۴)

معلوم ہوا کہ مرنے والے کے دنیاوی جسم میں روح کا واپس لوٹایا جانا غلط ہے۔ دراصل مرنے والے کے اس دنیا اور اس کے متعلقات سے سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہی بات قرآن فرماتا ہے: **وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ** (المومنون :۱۰۰)

اب عذاب و راحت کے جو بھی احوال مرنے والے پر گزرتے ہیں، وہ عالم برزخ میں گزرتے ہیں،اس دنیا میں نہیں۔

(۲) ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح واپس لوٹا دیتا ہے اور میں سلام کا جواب دیتا ہوں (ابو داؤد والبیہقی بحوالہ مشکوٰۃ:صفحہ ۸۶) ۔یہ روایت بھی قرآن کے خلاف اور نا قابل اعتبار ہے۔اس کی سند یوں ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ نَا الْمُقْرِیُّ نَاحَیْوٰۃُ عَنْ اَبِیْ صَخْرٍ حُمَیْدِ بْنِ زِیَادٍ عَنْ یَزِیْدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ قُسَیْطٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ

☆ اس روایت میں ابوصخر حمید بن زیاد ہے جس سے حاتم بن اسماعیل روایت کرتا ہے۔ اس کو سیوطی، نسائی، ابن حماداور احمد بن حنبل نے ضعیف بتایا ہے۔

(تہذیب التہذیب:جلد ۳، صفحات ۴۲،۴۱)

☆ دوسرا راوی ابوصخر کا استاد یزید بن عبداللہ بن قسیط بھی ضعیف ہے۔ابن حبان کہتے ہیں کہ رُبَّمَا اَخْطَاءَ (کبھی کبھی خطا کرتا ہے)؛امام مالک علیہ الرحمہ کہتے ہیں: لَیْسَ ھُنَاکَ (یعنی ضعیف ہے)؛ابوحاتم کہتے ہیں قوی نہیں ہے (تہذیب التہذیب :جلد ۱۱، صفحات ۳۴۲،۳۴۳)۔

☆ ابن تیمیہ کہتے ہیں ضعیف بھی ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا سماع بھی نہیں ہے۔

(القول البدیع:صفحات ۱۵۲/جلاء الافہام:صفحہ ۲۲)

اس جرح کے بعد اس روایت کو ردِّ روح کے لیے دلیل بنانا کس قدر غلط ہے! کہا جاتا ہے کہ دنیا میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام و درود ضرور پڑھتا ہے، اس لیے آپ کی روح مستقل جسم کے اندر رہتی ہے۔کیا خوب! گزر چکا ہے کہ روح ایک بار نکلنے کے بعد صرف قیامت کے دن ہی لوٹائی جائے گی۔

مردہ بزرگوں کو دعا کے لیے وسیلہ بنانے کا شرک

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مشرکوں کا سب سے بڑا شرک یہ تھا کہ وہ مُردوں کو اپنا سفارشی اور دعاؤں کا وسیلہ بنا کر پوجتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو سختی سے ڈانٹا اور اس فعل شنیع سے منع کیا۔اے کاش کہ اصحاب قبور کو دعا کے لیے وسیلہ بنانے والوں کو یہ بھی خبر ہوتی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کو دعا کے لیے وسیلہ نہیں بنایا اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گئے، بلکہ عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو دعا کے لیے وسیلہ بنایا:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ عُمَرَ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ کَانَ اِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا فَیُسْقَوْنَ

(بخاری:کتاب المناقب،جلد ۱،صفحہ ۱۳۷)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ، جب قحط پڑتا تھا تو، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کے لیے دعا کرواتے تھے اور کہتے تھے کہ بارِالٰہا ہم (پہلے) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری طرف (دعا کے لیے) وسیلہ بناتے تھے اور تو بارش برساتا تھا۔ (اب جبکہ وہ ہم میں نہیں ہیں) ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو (دعا کے لیے) وسیلہ بناتے ہیں، مالک بارش بھیج۔ پھر بارش ہوتی۔''

اور عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو قحط **عَـامُ الـرَّمَـادَةِ** (راکھ کا سال) کے نام سے موسوم ہے، ۱۸ھ میں گزرا ہے۔ اس کے واقعہ کی تفصیل ابو صالح السمان جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خازن تھے، یوں بیان کرتے ہیں:

فَلَمَّاصَعِدَ عُمَرُ مَعَ الْعَبَّاسِ الْمِنبَرَ قَالَ عُمَرُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا تَوَجَّهْنَا اِلَيْکَ بِعَمِّ نَبِيِّکَ وَصِنْـوِ اَبِيْهِ فَاسْقِنَا الغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ ثُمَّ قَالَ قُلْ يَا اَبَا الْفَضْلِ فَقَالَ الْعَبَّاسُ اَللّٰهُمَّ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَّلَمْ يُكْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَّقَدْ تَوَجَّهَ بِيَ الْقَوْمُ اِلَيْکَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّکَ وَهٰذِهِ اَيْدِيْنَا اِلَيْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ فَاَرْخَتِ السَّمَآءُ شَآبِيْبَ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتّٰى اَخْصَبَتِ الْاَرْضُ

(حاشیه بخاری: جلد ۱، صفحه ۱۳۷، مطبوعه دهلی)

''پس جب عمر رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ منبر پر چڑھے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مالک ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعہ جوان کے باپ کے بھائی ہیں، تیری طرف رخ کرتے ہیں، تو اے مالک ہمارے لیے پانی برسا اور ہمیں ناامید نہ کر۔ پھر انھوں نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوالفضل! اب آپ دعا کریں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مالک! تیری کوئی بلا نازل نہیں ہوتی مگر گناہ کی وجہ سے، اور وہ دور نہیں ہوتی مگر توبہ سے؛ اور اس وقت قوم نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں میرے مقام☆ کی وجہ سے تیری بارگاہ میں مجھے ذریعہ بنایا ہے؛ تو اے مالک! یہ گناہ آلود ہاتھ تیری بارگاہ میں اٹھے ہوئے ہیں، اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لیے تیرے سامنے جھکی ہوئی ہیں، بارِالٰہا! ہم پر بارش برسا۔ پس آسمان نے پہاڑوں جیسے دہانے کھول دیے اور زمین جی اٹھی۔''

آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فضیلت والی ذات کونسی ہے جس کا مرنے کے بعد دعا میں وسیلہ اختیار کیا جائے؟ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ دین کو سمجھنے والا کون ہوسکتا ہے؟ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر نہ تو ان کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں

☆ **كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يعظمه و يكرمه بعد اسلامه** (اسدالغابة):
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبول اسلام کے بعد ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

اور نہ دعاءِ استسقاء کے وقت بلکہ نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ، جو دنیا میں زندہ تھے، ان کو دعا کے لیے وسیلہ بناتے ہیں، وہ دعا کرتے ہیں اور مالک بارش برساتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کے حق کا واسطہ دینا جائز نہیں

جن لوگوں نے وسیلہ کے نام سے بزرگانِ دین کی استعانت اور انبیاء اور اولیاء سے استغاثہ جائز کر رکھا ہے، انہوں نے قرآن کے لفظ ''**وسیـــــلة**'' (بمعنی قرب) کو اردو کے لفظ وسیلہ (بمعنی ذریعہ) کا مترادف سمجھ لیا ہے، حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ **وسیلة** سے تقرب مراد ہے۔ مسلم کی روایت ہے :

......**عَنۡ عَبۡدِاللّٰـهِ بۡنُ عَمۡرِ وبۡنِ الۡعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَاسَمِعۡتُمُ الۡـمُؤَذِّنَ فَقُوۡلُوۡا مِثۡلَ مَايَقُوۡلُ ثُمَّ صَلُّوۡاعَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنۡ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡـهِ بِهَا عَشۡراً ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الۡوَسِيۡلَةَ فَاِنَّهَا مَنۡزِلَةٌ فِي الۡجَنَّةِ لَايَنۡبَغِيۡ اِلَّا لِعَبۡدٍ مِّنۡ عِبَادِاللّٰهِ وَاَرۡجُوۡاَنۡ اَكُوۡنَ اَنَا هُوَ فَمَنۡ سَأَلَ لِيَ الۡوَسِيۡلَةَ حَلَّتۡ عَلَيۡهِ الشَّفَاعَةُ**

(راوہ مسلم: کتاب الصلوٰۃ)

''............عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اذان دینے والے کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی کلمات کہو جو وہ کہہ رہا ہو، پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے؛ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو۔ کیونکہ یہ وسیلہ جنت کا وہ مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں صرف ایک بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ میں وہ بندہ ہوں۔ سن لو جس نے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ وسیلہ مانگا، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

معلوم ہوا کہ وسیلہ جنت میں بلندترین مقام کا نام ہے۔ اور بخاری کی روایت یوں ہے:

............**عَنۡ جَابِرِ بۡنُ عَبۡدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنۡ قَالَ حِيۡنَ يَسۡمَعُ النِّدَآءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعۡوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الۡقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الۡوَسِيۡلَةَ وَالۡفَضِيۡلَةَ وَابۡعَثۡهُ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدَنِ الَّذِيۡ وَعَدتَّهٗ حَلَّتۡ لَهٗ شَفَاعَتِيۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ**

(بخاری: کتاب الاذان، جلد ۱، صفحہ ۸۶)

''...... جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان سن کر یہ کہا کہ اے اللہ! اس پوری پوری پکار کے رب اور ہمیشہ باقی رہنے والی صلوٰۃ کے مالک! عطا فرما

محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت اور مبعوث فرما ان کو اس مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، (تو) ایسے کہنے والے کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

پس معلوم ہوا کہ وسیلہ سے مراد قرب الٰہی ہے اور اس سے کسی کی ذات کو اللہ کے حضور وسیلہ بنانا مقصود نہیں۔ علامہ آلوسی، تفسیر روح المعانی کے مصنف نے بڑی تفصیل سے اس بات پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ

اَلْاِسْتِعَانَةُ بِمَخْلُوْقٍ وَّ جعلُهُ وَسِيلَةً بِمَعْنىٰ طَلَبِ الدُّعَآءِ مِنْهُ لَاشَكَّ فِيْ جَوَازِهٖ اِنْ كَانَ الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ حَيًّاوَّاِمَّا اِذَاكَانَ مَطْلُوْبٌ مِّنْهُ مَيْتًا اَوْغَآئِبًافَلَايَسْتَرِيْبُ عَالِمٌ اَنَّهُ غَيْرَ جَائِزٍوَّاَنَّهُ مِنَ الْبِدَعِ الَّتِيْ لَمْ يَفْعَلُهَا اَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ وَلَمْ يَرْوِعَنْ اَحَدٍمِّنَ الصَّحَابَةِ ﷺ وَهُمْ اَحْرَصُ الْخَلْقِ عَلىٰ كُلِّ خَيْرٍاَنَّهُ طَلَبَ مِنْ مَيِّتٍ شَيْئًا

(روح المعانی: جلد ۶، صفحہ ۱۲۵)

''کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ دعا کرے، اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے بشرطیکہ جس سے درخواست کی جارہی ہو وہ زندہ ہو۔ دوسری طرف میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں ہے اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے نہیں کیا۔ صحابہ کرام ﷺ سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو۔''

یہی بات امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے ثابت ہے۔ ابوالحسین قدوری اپنی فقہ کی کتاب المسمی بشرح الکرخی کے باب الکراھۃ میں لکھتے ہیں کہ

قَالَ بَشَرٌ بْنُ الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا اَبُوْ يُوْسَفَ قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍاَنْ يَّدْعُوْاللهَ اِلَّابِهٖ وَاُكْرِهُ اَنْ يَّقُوْلَ بِحَقِّ خَلْقِكَ– وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ يُوْسَفَ: قَالَ اَبُوْيُوْسَفَ اُكْرِهُ اَنْ يَّقُوْلَ بِحَقِّ فُلَانٍ اَوْ بِحَقِّ اَنْبِيَآئِكَ وَرَسُوْلِكَ وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَالْمَشْعَرِالْحَرَامِ– قَالَ الْقُدُوْرِيُّ: اَلْمَسْئَلَةُ بِخَلْقِهٖ لَا تَجُوْزُ لِاَنَّهُ لَاحَقَّ لِلْخَلْقِ عَلَى الْخَالِقِ فَلَا تَجُوْزُ وِفَاقًا

''بشر بن ولید کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابو یوسف نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کسی کے لیے اللہ تعالیٰ سے بجز اس کی ذات اور صفات کے حوالہ دے کر دعا کرنا جائز نہیں ہے اور میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیری مخلوق کے۔ اور یہی قول ابو یوسف کا ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں

بھی ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ **بحق تیرے نبیوں کے، بحق تیرے رسولوں کے، یا بحق بیت الحرام یا بحق مشعر الحرام۔** (اس کے بعد) امام قدوری کہتے ہیں کہ اللہ سے اس کی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ کسی مخلوق کا بھی خالق پر کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اسے ادا کرے۔''

یہی بات احناف کے مسلک کی سب سے معتبر کتاب ''ہدایہ'' کی کتاب الکراھیۃ میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَيُكْرَهُ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْ دُعَآئِهٖ بِحَقِّ فُلَانٍ اَوْبِحَقِّ اَنْبِيَآئِكَ وَرُسُلِكَ لِاَنَّهٗ لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوْقِ عَلَى الْخَالِقِ (ھدایۃ: جلد ۴، صفحہ ۴۵۹، سطر ۳،۴)

''اور جائز نہیں کہ کوئی اپنی دعا میں یوں کہے کہ بحق فلاں یا اپنے انبیاء اور رسولوں کے حق کے طفیل یا صدقہ میں کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔''

اور یہ کہنا بھی کہ:

اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ عَبْدِكَ اَوْ بِجَاهِهٖ اَوْ حُرْمَتِهٖ اَوْ نَحْوَذَالِكَ مَكْرُوْهٌ كَرَاهَةٌ تَحْرِيْمٌ عِنْدَ جَمِيْعِ مُتُوْنِ الْحَنَفِيَةَ وَهِيَ كَالْحَرَامِ فِي الْعُقُوْبَةِبِالنَّارِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ

(مستفاض من صیانۃ الانسان: صفحہ ۲۰۱)

''اے اللہ میں تجھ سے فلاں بندے کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ اس کی جاہ کے واسطے سے یا اس کی حرمت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، مکروہ تحریمی ہے اور یہ بات احناف کی ساری کتابوں کے متنوں میں لکھی ہوئی ہے۔ امام محمد کے نزدیک یہ کہنا ایسا حرام ہے کہ اس پر آگ کا عذاب ہوگا۔''

معلوم ہونا چاہیے کہ ''کَرِہَ'' کا لفظ حدیث اور عبارات سلف میں مکروہ تنزیہی سے لے کر حرام تک کے لیے استعمال ہوتا تھا اور یہاں مکروہِ تحریمی کے لیے آیا ہے۔

ان سارے فتووں کے باوجود معلوم نہیں کیوں بعض نے یہ عبارت بے دلیل لکھ دی ہے کہ

''البتہ بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام نہیں، یہ سب کے نزدیک جائز ہے''

(جواہرالقرآن از غلام اللہ خان، جلد ۲، صفحہ ۲۳۷)

اور کیا اس ظلم کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے جو ان نام نہاد گروہ صوفیأ نے اسلام پر ڈھایا ہے؟ ہر دعا سے پہلے وہ ان ''حقوں'' کا ایک سلسلہ شروع کر دیتے ہیں اور اس کا نام انہوں نے ''شجرہ شریف'' رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی ''دھونس'' کا یہ انداز بھی خوب ہے!

افسوس کہ آج اللہ تعالیٰ کو کبھی نبی ﷺ کا واسطہ دلایا جاتا ہے، کبھی کسی ولی کا اور کبھی کسی پیر کا۔ اور قرآن کی وسیلہ والی آیت کو لوگوں نے اردو زبان کے وسیلہ کے معنی میں ڈھال کر دعاؤں میں اللہ کے نیک بندوں کی ذات کو وسیلہ بنانے کا مذموم طریقہ ایجاد کرلیا ہے! ہر چند کہ سارے مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں وسیلہ سے مراد اللہ کا تقرب ہے اور وہ ایمان اور نیک اعمال ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ آیت یہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المآئدۃ:۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو، اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

قرآن کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ''وسیلہ'' سے قربت اور تقرب مراد ہے اور وہ ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوسکتا ہے اور یہی ایمان و عمل کا وسیلہ ہی وہ وسیلہ ہے جس کے حق ہونے پر سب متفق ہیں کیونکہ یہی بات نبی ﷺ سے ثابت ہے:

............عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ انْطَلَقَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتّٰى اٰوٰهُمُ الْمَبِيْتُ اِلٰى غَارٍ فَدَخَلُوْهُ فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ فَقَالُوْا اِنَّهٗ لَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ اِلَّا اَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ تَعَالٰى بِصَالِحِ اَعْمَالِكُمْ .... الخ (بخاری: کتاب الانبیاء/ مسلم: کتاب الرقاق)

''عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم سے پہلے لوگوں میں تین شخص سفر کر رہے تھے یہاں تک کہ رات آگئی اور رات گزارنے کے لیے وہ ایک غار میں داخل ہوگئے اور پہاڑ کی چٹان اوپر گری اور اس نے غار کے منہ کو بند کردیا۔ ان تینوں نے آپس میں کہا کہ اس مصیبت سے تمہیں کوئی چیز نجات دلوانے والی نہیں ہے الّا یہ کہ تم اپنے **نیک اعمال کے ذریعہ سے دعا کرو**۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بارِالٰہا! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور جب تک میں ان کو کھلا پلا نہ لوں، نہ تو بال بچوں کو کھلاتا تھا اور نہ جانوروں کو۔ اور ایک روز درخت کی تلاش میں بہت دور نکل گیا اور جب واپس آیا تو دونوں سو چکے تھے۔ میں نے دودھ دوہا تاکہ ان کو پلاؤں مگر ان کو سوتا ہوا پایا۔ میں نے نہ تو یہ پسند کیا کہ ان کو بیدار کروں اور نہ یہ ہی کہ ان سے پہلے کسی اور کو کھلاؤں۔ اسی طرح میں پیالہ ہاتھ میں لیے ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا اور میرے بچے بھوک سے بے تاب ہو ہو کر میرے قدموں میں لوٹتے رہے یہاں تک کہ فجر ہوگئی اور وہ دونوں جاگ اٹھے اور دودھ پی لیا۔ اے مالک! اگر یہ میں

نے تیری رضا جوئی کے لیے کیا ہو تو اس چٹان کی مصیبت کو ہم سے ہٹا دے۔ چٹان کچھ ہٹ گئی مگر اتنی نہیں کہ وہ باہر نکل سکیں۔ اب دوسرے نے کہا کہ مالک! میرے چچا کی بیٹی تھی جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی۔ میں نے اس سے برے کام کا ارادہ کیا مگر وہ راضی نہ ہوئی۔ وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ اس پر قحط سالی کا سخت وقت پڑا۔ وہ میرے پاس مدد مانگتی ہوئی آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیے کہ وہ میرے ساتھ برا کام کرے گی۔ وہ راضی ہو گئی لیکن جب میں نے اس پر قابو پا لیا تو کہنے لگی کہ اللہ سے ڈر اور مہر کو ناجائز طریقہ پر نہ توڑ۔ میں اس کے پاس سے ہٹ گیا حالانکہ وہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھی۔ میں نے وہ دینار بھی اس کے پاس رہنے دیے اور واپس نہیں لیے۔ اے مالک! اگر یہ سب کچھ میں نے تیری رضا کے لیے کیا تھا، تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دے۔ چٹان کچھ اور ہٹ گئی مگر ابھی تک باہر نکلنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ تیسرے شخص نے کہا کہ بارِالٰہا! میں نے کچھ مزدوروں کو اجرت پر رکھا اور سب کو ان کی اجرتیں دے دیں لیکن ایک مزدور اپنی مزدوری لیے بغیر چلا گیا۔ میں نے اس کی اجرت کو کام میں لگایا اور بہت سا مال نفع میں حاصل ہوا۔ کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آ گیا۔ اور اس نے مجھ سے کہا کہ اے اللہ کے بندے! میری مزدوری مجھے دے دے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ سب کچھ جو تو دیکھ رہا ہے: یہ اونٹ یہ گائیں، یہ بھیڑیں، یہ غلام، یہ سب تیری ہی اجرت ہے۔ وہ بولا: اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے جواب دیا: میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا (بلکہ حقیقی بات یہی ہے)۔ پس اس نے سب کچھ لے لیا اور ہنکا لے گیا، ایک چیز بھی نہ چھوڑی۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا کے لیے کیا ہو، تو ہماری اس مصیبت سے ہمیں نکال۔ پس چٹان ہٹ گئی اور وہ تینوں باہر نکل کر چل دیے۔''

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان و عمل کا واسطہ دینا صحیح ہے، کسی کی ذات یا اس کے عملوں کا واسطہ دینا صحیح نہیں۔

نبی ﷺ کی وفات کے بعد ان کی ذات کو وسیلہ بنانا

اس سلسلہ میں بھی بے حساب گمراہیاں امت کے اندر رواج پا گئی ہیں۔ قرآن کریم کی آیت

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء:٦٤)

''اور اگر یہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کے بعد تیرے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور تو بھی ان کے واسطے استغفار کرتا تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے''

سے بعض ناواقف یہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح زندگی میں لوگ نبی ﷺ کے پاس استغفار کروانے آیا کرتے تھے اسی طرح اب ان کی وفات کے بعد قبر پر آکر یہی کام کرنا چاہیے۔ مگر کسی ایک صحابی سے بھی صحیح روایت میں یہ بات ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی قبر پر جاکر دعا کی درخواست کی ہو۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قحط کے زمانے کا وہ واقعہ جو پچھلے اوراق میں گزر چکا ہے، اس کی روشن مثال ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن پر کیسے کیسے سخت وقت آئے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فتنۂ ارتداد کا سامنا کرنا پڑا؛ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قحط کی مصیبت نے گھلا دیا؛ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باغیوں نے کیا کچھ نہیں کیا، باغیوں کے حصار کو توڑ کر کبھی کبھی مسجد نبوی میں وہ آئے ضرور، مگر قبر نبوی پر جاکر دعا کی درخواست نہیں کی؛ جنگ جمل و صفین میں کون سی مصیبت ہے جس سے امت دو چار نہیں ہوئی، مگر نہ عائشہ رضی اللہ عنہا قبر نبوی پر دعا کی درخواست کے لیے گئیں اور نہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما۔

اسی طرح اصحاب قبور سے توسل کی تائید میں بعض اور روایات بھی لائی جاتی ہیں لیکن یہ ساری روایتیں بے اصل اور بناوٹی ہیں۔

(۱) پہلی روایت:

جَآءَ اَعۡرَابِیٌّ اِلٰی قَبۡرِالنَّبِیّ ﷺ فَرَمٰی بِنَفۡسِہٖ عَلٰی قَبۡرِالنَّبِیّ ﷺ فَقَالَ جِئۡتُ لِتَسۡتَغۡفِرَلِیۡ فَنُوۡدِیَ مِنَ الۡقَبۡرِ اَنَّہٗ قَدۡ غُفِرَلَکَ

”ایک بدو قبر نبوی ﷺ کے پاس آیا، اور اپنے آپ کو قبر پر گرا دیا اور کہا کہ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں۔ پس قبر نبوی ﷺ سے آواز آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا۔“

یہ روایت بالکل موضوع ہے۔ اس میں ایک راوی ہیثم بن عدی طائی ہے جسے محدثین نے کَذَّاب اور وَضَّاع (جھوٹا اور روایتیں گھڑنے والا) کہا ہے: یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، جھوٹی روایتیں بنایا کرتا تھا؛ ابوداؤد کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔

(لسان المیزان: جلد ۲، صفحہ ۲۰۹)

(۲) دوسری روایت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ

...... انَّ رَجُلاً ضَرِیۡرَ الۡبَصَرِ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ ادۡعُ اللّٰہَ اَنۡ یُّعَافِیَنِیۡ ......

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیۡکَ ...... بِنَبِیِّکَ ﷺ نَبِیِّ الرَّحۡمَۃِ

”عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرد نابینا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینا کر دے۔ پھر ان صاحب نے کہا کہ پروردگار میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی ﷺ نبی الرحمت کے ذریعہ رخ کرتا ہوں۔“

یہ واقعہ بعض روایتوں میں آپ ﷺ کی زندگی کا ہے اور بعض میں آپ ﷺ کی وفات کے بعد کا لیکن اس کے ہر ایک طریق میں ابو جعفر ہے جس کو:

☆ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وضاع بتاتے ہیں (مقدمة صحیح مسلم :صفحه ۵،۶)۔

☆ امام نووی کہتے ہیں کہ ابو جعفر المدنی وضاع ہے (شرح مسلم للنووی:جلد۲، صفحه ۱۷)۔

☆ اسی طرح امام احمد بھی اس کو وضاع کہتے ہیں (میزان الاعتدال: جلد ۲ ،صفحه۷۸)۔

دوسری طرف اس غلط روایت میں بھی ذات کی بجائے دعا کا وسیلہ ہے۔

آدم علیہ السلام کا نبی ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانے کی غلط روایت

غضب تو یہ ہے کہ ایک ایسی روایت بھی لائی جاتی ہے جس میں آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہو جانے کا قصہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ پھر ان کی توبہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنے پر قبول ہوئی:

لَمَّا اَذْنَبَ اٰدَمُ الذَّنْبَ الَّذِیْ اَذْنَبَهٗ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَی السَّمَآءِ فَقَالَ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ اِلَّا غَفَرْتَ لِیْ..........الخ

”جب آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہو گیا تو انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر محمد ﷺ کے وسیلہ سے مغفرت کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ یہ ”محمد“ کون ہیں؟ آدم علیہ السلام نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور وہاں **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** لکھا ہوا پایا تو میں سمجھ گیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے اس سے زیادہ عظمت والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آدم تم نے سچ کہا، وہ نبی آخر ہیں اور وہ تمہاری ہی اولاد سے ہوں گے، اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کیے جاتے۔“

اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

”اے نبی ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا۔“ (فضائل ذکر: صفحه ۱۴۳)

اللہ اللہ! یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کس قدر شدید بہتان ہے! قرآن میں تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کے سلسلہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ:۳۷)

''پس سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں، پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر۔ بیشک وہی ہے توبہ کو قبول کرنے والا مہربان۔''

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو توبہ کی دعا سکھائی، اور اس کے برعکس یہ روایت کہتی ہے کہ یہ آدم علیہ السلام کا اپنا اجتہاد تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو یہ دریافت کرنا پڑا کہ تم نے آخر محمد ﷺ کا وسیلہ کیسے پکڑا۔ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ دعا جو اللہ تعالیٰ نے سکھائی اور جس کے ذریعہ توبہ قبول ہوئی، قرآن میں بیان کر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف:۲۳)

''(آدم وحوا نے) کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے، تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔''

دوسرا ظلم اس روایت میں یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا باعث نبی ﷺ کی ذات کو ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ قرآن فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۶)

''میں نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر اپنی بندگی کے لیے۔''

ثابت ہوا کہ تخلیق کائنات کی غایت بندگیٔ الٰہی ہے نہ کہ ذات نبوی ﷺ خود ذات نبوی ﷺ کو بھی اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس روایت کو ہر محدث نے موضوع (گھڑی ہوئی) بتایا ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ہے اور اس پر (حدیث گھڑنے کا) یہ حکم لگایا گیا ہے۔ (میزان الاعتدال: جلد ۲، صفحہ ۱۰۶)

کسی خاص قبر کی زیارت کا غلط عقیدہ

کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مزار پر جاتے ہیں تو اس لیے جاتے ہیں کہ آپ کے مزار کی زیارت کی بڑی فضیلت ہے...... یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عام قبروں کی زیارت تو مستحب ہے مگر کسی خاص قبر کی زیارت حتیٰ کہ نبی ﷺ کی قبر

کی زیارت کے سلسلہ میں بھی جتنی روایتیں ہیں ان کے متعلق ائمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ وہ ''موضوع''، یعنی گھڑی ہوئی ہیں، ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے (پھر بھی نادان کہتے ہیں کہ اگر قبر نبوی پر جانا ضروری نہ ہوتا تو حج کے موقع پر مدینہ کیوں جایا جاتا ہے...... کاش ان کو کوئی بتائے کہ حج مکہ میں ہوتا ہے مدینہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں! رہا قبر نبوی ﷺ کی زیارت کو جانا، تو یہ کام نہ تو صحابہ ؓ نے کیا نہ تابعین نے، نہ باہر سے آنے والے مجاہدین نے؛ افسوس کہ تم نے جھوٹی روایتوں کے ذریعہ قرآن، حدیث اور اجماع صحابہ ؓ کو جھٹلا دیا) مثال کے طور پر اسی روایت کو لیجیے جو سب سے زیادہ مشہور ہے:

قبر نبوی ﷺ کی زیارت کی فضیلت کی بناوٹی روایتیں

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ (روا البزار فی مسندہ)

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔''

سند یوں لائے ہیں:

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ یَزِیْدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَعَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

یہ روایت ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف اور منکر ہی نہیں بلکہ موضوع کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے اندر عبداللہ بن ابراہیم ہے جو ابوعمرو الغفاری کا بیٹا ہے اور یہ ایسا راوی ہے جو منکر روایتیں بیان کرتا تھا اور بعض ائمہ حدیث نے اس کو کَاذِب (جھوٹا) اور وَضَّاعُ الْحَدِیْثِ (یعنی جھوٹی روایتیں بنانے والا) کہا ہے۔

☆ امام ابوداوٗد کا قول ہے کہ یہ شیخ (راوی) منکر الحدیث ہے۔

☆ امام الدارقطنی کہتے ہیں کہ اس کی روایتیں منکر ہوتی ہیں۔

☆ امام الحاکم کہتے ہیں کہ عبداللہ ثقات (یعنی سچے) راویوں کے نام سے گھڑی ہوئی روایتیں بیان کرتا ہے اور اس کے دوسرے ہم سبق ان جھوٹی روایتوں کو بیان نہیں کرتے۔

☆ خود امام البزار اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابراہیم کی اس روایت اور دوسری روایتوں کو کوئی دوسرا بیان نہیں کرتا۔ (میزان الاعتدال: جلد۲، صفحہ ۲۰، ۲۱)

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ احادیث کے جمع کرنے والے امام کبھی کبھی صحیح، حسن،

ضعیف، موضوع ساری قسم کی روایتوں کو امت کی معلومات کے لیے لکھ دیتے ہیں اور اس کے بعد جو ان روایتوں کی حیثیت ہوتی ہے اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ ظلم تو وہ کرتے ہیں جو روایت تو لکھ دیتے ہیں مگر جو تبصرہ محدث نے کیا تھا اس کو چھوڑ جاتے ہیں۔ اس طرح سے امت کی گمراہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

زیارت قبر نبوی کے سلسلہ کی ساری روایتوں کا یہی حال ہے اور ان دوسری روایتوں پر بحث آگے آرہی ہے۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے شام سے مدینہ منورہ کی طرف قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر والی روایت بھی نا قابل اعتبار ہے کیونکہ یہ اثر بھی غریب اور ''منکر'' ہے۔ اس کی اسناد مجہول ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ اس میں محمد بن الفیض الغسانی کا ابراہیم بن محمد سے تفرد ہے اور ابراہیم بن محمد مجہول ہے۔ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا اور کیا اس کی حیثیت تھی۔ اور یہی حال عمر بن عبدالعزیز کے قبر نبوی پر سلام پہنچانے والے اثر کا بھی ہے، محض غلط اور بناوٹی؛ اس میں رباح بن بشیر راوی مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر ضعیف ہے اور حاکم بن دردان نے کبھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہیں کی۔

قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے بارش

ایک غلط روایت یہ بنائی گئی ہے کہ اہل مدینہ پر شدید قحط پڑا۔ لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے اوپر روشندان بنا دو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے۔ پس لوگوں نے یہی کیا اور ایسی بارش ہوئی کہ اس کی زرخیزی سے سبزہ لہلہا اٹھا اور اونٹ چربی کی زیادتی سے پھول گئے اور اس سال کا نام **عَامُ الْفَتَق** پڑ گیا۔ (سنن دارمی: صفحہ ۲۵ / مشکوٰۃ: صفحہ ۵۴۵)

اس روایت کی سند یوں ہے:

حَدَّثَنَا اَبُو النُّعمَانِ ثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ بْنُ زَيْدٍ ثَنَا عَمرِوبْنُ مَالِكٍ النَّكرِيُّ ثَنَا اَبُو الْجَوْزَآءِ

اس روایت میں متعدد کمزوریاں ہیں:

(۱) سعید بن زید کو نسائی نے کہا ہے کہ قوی نہیں ہے۔

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال: جلد ۱، صفحہ ۳۸۱)

(۲) ابوالجوزاء کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''فِیْ اَسْنَادِہٖ نَظْرٌ''۔(التاریخ الکبیر للبخاری: جلد۲ صفحہ ۱۷،۱۸/ میزان الاعتدال: جلد۱، صفحہ ۱۲۹/ تہذیب التہذیب: جلد۱، صفحہ ۳۸۴)

ثابت ہوا کہ یہ روایت منقطع بھی ہے اور ضعیف بھی۔

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بزرگوں کی قبروں پر اس لیے حاضری دیتے ہیں کہ وہاں اللہ کے نیک بندے دفن ہیں اور وہاں دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں...... تو یہ بات بے اصل ہے اور اس چیز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر پر جمع ہونے سے منع کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ اَوْ بَیْتِیْ عِیْدًا (رواہ ابو یعلی و سعید بن منصور)

''میری قبر یا میرے گھر کو میلہ کی جگہ نہ بناؤ۔''

ایک طرف یہ حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر کے لیے، اور دوسری طرف اس نام نہاد امت محمدیہ کے عرس اور میلے ہیں، زیارتیں اور پھیرے ہیں، دعائیں اور فریادیں ہیں، دہائیاں اور پکاریں ہیں...... مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک عبرت انگیز واقعہ سن لیا جائے:

رَاٰی الْاِمَامُ اَبُوْحَنِیْفَۃَ مَنْ یَّاْتِی الْقُبُوْرَ لِاَھْلِ الصَّلَاحِ فَیُسَلِّمُ وَیُخَاطِبُ وَیَتَکَلَّمُ وَیَقُوْلُ یَااَھْلَ الْقُبُوْرِ ھَلْ لَّکُمْ مِنْ خَبَرٍ وَّھَلْ عِنْدَکُمْ مِنْ اَثَرٍ اِنِّیْ اَتَیْتُکُمْ وَنَادَیْتُکُمْ مِنْ شُھُوْرٍ وَّلَیْسَ سُؤَالِیْ اِلَّا الدُّعَاءِ فَھَلْ دَرَیْتُمْ اَمْ غَفَلْتُمْ فَسَمِعَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ بِقَوْلٍ یُّخَاطِبُہٗ بِھِمْ فَقَالَ ھَلْ اَجَابُوْالَکَ؟ قَالَ لَا فَقَالَ لَہٗ سُحْقًا لَّکَ وَتَرِبَتْ یَدَاکَ. کَیْفَ تُکَلِّمُ اَجْسَادًا لَایَسْتَطِیْعُوْنَ جَوَابًا وَّلَایَمْلِکُوْنَ شَیْئًا وَّلَایَسْمَعُوْنَ صَوْتًا وَّقَرَءَ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ

(غرائب فی تحقیق المذاہب و تفہیم المسائل: محمد بشیر الدین، صفحات ۹۱ و ۱۷۲)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آ کر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے قبر والو! تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمہارے پاس مہینوں سے آ رہا ہوں اور تم سے میرا سوال صرف یہ ہے کہ میرے حق میں دعا کر دو؟ بتاؤ! تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو؟ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا یہ قول سن کر اس سے دریافت کیا کہ کیا قبر

والوں نے کچھ جواب دیا؟ وہ بولا نہیں دیا۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے یہ سن کر کہا کہ تجھ پر پھٹکار! تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہو جائیں! تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب ہی دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہی ہیں اور نہ آواز ہی سن سکتے ہیں! پھر ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کہ اے نبی! تم ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں، کچھ نہیں سنا سکتے۔

حنفی فقہ و علم کلام کی ساری معتبر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ مردے نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً:

وَكَذَالِكَ الْكَلَامُ وَالدُّخُوْلُ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْكَلَامِ الْاِفْهَامُ يُنَافِيْهِ

(ہدایۃ: جلد ۱، صفحہ ۴۸۴/شامی: جلد ۳، صفحہ ۱۸۰)

یعنی اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں تم سے کلام نہ کرونگا یا یوں کہ میں تمہاری ملاقات، اور زیارت کو نہ آؤں گا پھر مرجانے کے بعد اس کی لاش سے اس نے کلام کیا یا قبر کی زیارت کی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس سے روک دیتی ہے۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں بھی اسی طرح ہے:

اِذَا حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ اِقْتَصَرَ عَلَى الْحَيَاةِ فَلَوْ كَلَّمَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يَحْنَثُ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْهُ الْاِفْهَامُ وَالْمَوْتُ يُنَافِيْهِ لِاَنَّهُ لَا يَسْمَعُ وَلَا يَفْهَمُ

(فتح القدیر: جلد ۴، صفحہ ۱۰۰، سطر ۲)

یعنی اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا تو یہ زندگی کے ساتھ محدود ہے۔ پس اگر بعد موت (لاشے سے) کلام کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی، اس لیے کہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس سے روک دیتی ہے کیونکہ میت نہ سن سکتی ہے نہ سمجھ سکتی ہے۔

اسی طرح یہ فقہ کا اصول ہے:

لَا نِزَاعَ اَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ

''اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ میت قوت سماع سے قطعی محروم ہے۔''

(شرح المقاصد: جلد ۲، صفحہ ۴۳/ شرح المواقف: جلد ۴، صفحہ ۱۶۳)

معلوم ہوا کہ ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اور ان کے ماننے والے اماموں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مردے نہیں سنتے۔ امام علیہ الرحمۃ کے ماننے والے...... فقہی مسائل میں تو امام کے معمولی سے معمولی مسئلہ میں اختلاف برداشت نہیں کر سکتے (حالانکہ فقہی غلطیاں قابل معافی ہوسکتی ہیں) لیکن عقائد کے معاملہ میں امام کی بات کی بالکل پرواہ نہیں کرتے! ہر چند کہ عقیدہ پر ہی جنت و جہنم کا انحصار ہے اور یہ سماع موتیٰ کا عقیدہ تو شرک کی جڑ ہے۔

جو قبر بھی پوجی جائے وہ بت ہے

قرآن وحدیث کی ان ساری واضح تشریحات کے بعد بھی اگر ''امت مسلمہ'' میں آج اپنے اولیاء کے ساتھ وہی مشرکانہ عقیدتمندی پیدا ہوگئی ہے جو قوم نوح علیہ السلام نے اپنے اولیاء ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ روا رکھی تھی، تو تعجب کی بات کیا ہے؟ شیطان کو سب سے زیادہ دشمنی اس بات ہی سے تو ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح اپنا معبود مان لے جیسے اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قبر پرستی سے روکا، اسی کی قبر کو عبادت گاہ کا درجہ دے دیا گیا ہے! مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ دیکھیں گے کہ تہجد کا وقت ہے اور لوگ ہاتھ باندھے قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیے کھڑے ہیں: کوئی آہستہ آہستہ رو رہا ہے، کوئی دعائیں مانگ رہا ہے......اور اب تو چوری چھپے قبر کا طواف بھی کروایا جانے لگا ہے! یہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے ساتھ معاملہ ہے جس نے دعا کی تھی:

عَنْ عَطَابِنْ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثْناً يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ

(رواہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مرسلاً و رواہ بزار عن عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً)

''عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اسکو پوجا جائے؛ اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم پر بھڑکتا ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتی ہے۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ اسی احتیاط کی وجہ سے قبر نبوی کو باہر کھلا نہیں چھوڑا گیا کہ کہیں وہ سجدہ گاہ نہ بنالی جائے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ وَلَوْلَا ذٰلِكَ اُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَاَنَّهُ خَشِيَ اَنْ يُّتَّخَذَمَسْجِداً (بخاری: کتاب الجنائز، جلد ۱، صفحہ ۱۸۶)

''عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس سے اٹھنا نصیب نہ ہوا، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ (عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ) یہی خوف نہ ہوتا کہ کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے، تو قبر نبوی کو باہر کھلا چھوڑ دیا جاتا۔''

جس بات کے لیے یہ ساری احتیاطیں اختیار کی گئی تھیں، افسوس کہ وہی بات ہو کے رہی اور آج قبر نبوی ﷺ بری طرح پوجی جا رہی ہے: کوئی اس کا طواف کرتا ہے، اور کوئی اس کی طرف کھڑے ہو کر آہ وزاری، کوئی اپنے سلام کے بعد جواب کا منتظر رہتا ہے، اور کوئی دوسرے کا سلام پہنچاتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور سن رہے ہیں کیا عجب کہ جواب بھی دیں...... کبھی یہ ظالم کہتے ہیں کہ سلام کا جواب میں نے خود سنا ہے اور کبھی قبر سے باہر ہاتھ نکلوا کر اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور گواہی میں ساری مسجد کے لوگوں کو جن میں عبدالقادر جیلانی بھی شامل ہوتے ہیں، پیش کرتے ہیں! اور جب یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو مرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ **اے نبی ﷺ! آپ بھی ان کو نہیں سنا سکتے** تو جواب ملتا ہے کہ ہاں سنانے (اسماع) کی نفی کی ہے، سننے (سماع) کی نفی نہیں کی ہے۔ اور جب ان کو بتایا جائے کہ اسماع تو اصل (جڑ) ہے، جب جڑ کی نفی ہوگئی تو اس کے مطاوع سماع کی، جو اصل کی فرع (شاخ) ہے، آپ سے آپ نفی لازم آئے گی، تو ہکا بکا رہ جاتے ہیں!

بہر حال آج کسی میں یہ قوت نہیں ہے کہ ''امت مسلمہ'' کو بزور اس برائی سے روک دے۔ مگر اہل علم پر یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ وہ پوری بات واشگاف کہہ دیں کہ لوگو! اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد بھی تم نے وہی مشرکانہ اعتقادات باقی رکھے جو قوم نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر مشرک قوم میں پائے جاتے رہے ہیں، تو تم بھی بد انجامی سے نہ بچ سکو گے۔ ان قوموں نے اپنے نبیوں اور بزرگوں کو مرجانے کے بعد بھی مرنے نہ دیا اور آج تم بھی اپنے نبی ﷺ اور دوسرے اللہ کے بندوں کے ساتھ مختلف بہانوں اور جھوٹی روایتوں کے ذریعہ یہی کام کر رہے ہو! تمہاری کتاب پکار پکار کر کہتی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ
(الانبیآء: ۳۴، ۳۵)

''ہمیشگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی ہے۔ اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟ ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

اور:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ (القصص: ۸۸)

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ کی ذات کے۔''

تمہارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ دوسرے انبیاء علیہ السلام کی طرح مجھے بھی موت آئے گی۔اور جب موت کا وقت آتا ہے تو ان کی زبان مبارک سے آخری کلمہ یہی نکلتا ہے: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (بخاری:کتاب الدعوات، جلد۲، صفحہ ۹۳۹) لیکن تمہاری بدعقیدگی میں فرق نہیں آتا اور تم ان کو قبر میں زندہ گردانتے ہو۔افسوس!

حیات النبی ﷺ کا عقیدہ شرک کی جڑ ہے

نبی ﷺ کی وفات پر سب سے پہلے جو مسئلہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھا، وہ یہی مسئلہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو موت آ گئی یا نہیں۔آخر یہ مسئلہ کیسے نہ اٹھتا جب کہ موت کے بعد دنیاوی زندگی کا عقیدہ ہی تو شرک کی جڑ ہے۔شکر ہے کہ اسی وقت اس بات کا فیصلہ بھی ہو گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی کہ نبی ﷺ وفات پا گئے، اب دنیا میں زندہ نہیں ہیں، اور یہ اولیاء اللہ کے سردار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات کے بعد ہوا کہ جو محمد ﷺ کا پجاری تھا اس کو معلوم ہو کہ محمد ﷺ کو تو موت آ گئی اور جو اللہ تعالیٰ کو پوجتا تھا وہ جان لے کہ اللہ زندہ جاوید ہے اسے موت نہیں۔عمر رضی اللہ عنہ کو غم تھا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور میں کلالہ کے مسئلہ کے بارے میں پوری تفصیل دریافت نہ کر سکا۔

لوگو! اللہ تعالیٰ کا فرمان نبی ﷺ کا ارشاد اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع تمہارے سامنے ہے۔مگر تم کہتے ہو کہ نہیں، نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہی نہیں بلکہ دنیا میں آتے جاتے بھی رہتے ہیں۔افسوس کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے ''الحیّ'' تراش لیے اور اُن کی بات نہ مانی! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ پر جان چھڑکتے تھے، اگر ان کو خیال تک ہوتا کہ ان کے نبی ﷺ زندہ جاوید ہیں تو وہ کبھی ان کا خلیفہ منتخب نہ کرتے، نہ اپنے نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین کرتے، نہ ان کو قبر میں اتارتے، نہ اجتہاد کی کوئی ضرورت پیش آتی، اور نہ رجال کی چھان بین اور احادیث کی تحقیق میں محنت صرف کرنا پڑتی ...... جب بھی جس چیز کی ضرورت ہوتی، قبر پر پہنچ کر دریافت کر لیتے: ابو بکر رضی اللہ عنہ ارتداد کے موقع پر وہاں سے رہنمائی حاصل کرتے، عمر رضی اللہ عنہ قحط کے وقت، عثمان رضی اللہ عنہ فتنہ میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل اور صفین کے موقع پر۔دراصل یہ ظلم یوں ہوا کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد

فن دینداری کے ماہروں نے اپنا پیشہ چمکانے کے لیے ہندوؤں کی طرح دیوتاؤں اور دیویوں کی فوج تیار کر کے ان کے گرد ایک عظیم الشان دیو مالا کا تانا بانا بن دیا۔ پھر اسلامی کاشی اور متھرا وجود میں آئے اور ''مسلمان'' گنیشوں اور مُرلیوں نے جنم لیا: کھڑے پتھروں کی جگہ پڑے پتھروں نے قبروں کی شکل میں اپنے استھان بنائے اور درشن کا نام بدل کر ''زیارت'' رکھا گیا، پرنام کی جگہ سلام نے لے لی، ڈنڈوت نے سجدہ تعظیمی کا جامہ پہنا، پھیروں کے بجائے طواف ہونے لگے، پرشاد تبرک بن گیا، بھجن نے قوالی کا روپ دھار لیا...... اور یہ موجودہ ''دین'' وجود میں آیا۔ پھر ہزاروں قیدی بنے، لاکھوں کی عصمتیں برباد ہوئیں، لاتعداد لاشے تڑپے، نونہالوں کا خون چوس چوس کر یہ دھرتی سیراب ہوئی مگر اس نئے دین کی بہاروں کا ایک پھول نہ کھلایا!

کوئی کہے یا نہ کہے، ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ دین ہمارا دین نہیں، یہ ایمان ہمارا ایمان نہیں۔ ہم تو ایسے دین، ایسے ایمان کے جانی دشمن ہیں۔ ہم تو اُس سچے دین اور سچے ایمان کے قائل ہیں جو عبادات و معاملات، کردار و عمل، تہذیب و تمدن، تعلیم و ثقافت، سیاست و سیادت، صلح و جنگ، غرض زندگی کے ہر شعبہ کو اللہ کے رنگ میں رنگ دے اور غیر اللہ کی بندگی کا ایک دھبہ بھی باقی نہ چھوڑے۔ اور اگر یہ انقلاب زندگی میں رونما نہ ہو تو سمجھ لو کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے:

(۱) یا تو ایمان کا اقرار کرنے والا کم عقل اور سفیہہ ہے اور ایمان کے تقاضوں کی سمجھ ہی نہیں رکھتا؛

(۲) یا وہ منافق ہے کہ زبان سے تو اقرار کر رہا ہے مگر دل سے مان کر زندگی اور ماحول میں تبدیلی لانے پر تیار نہیں ہے۔

وہ ایمان ہرگز ایمان نہیں ہے جس کے اثر سے انسان کے کردار و عمل میں، اس کی صبح و شام میں انقلاب نہ آ جائے۔ سچے ایمان ہی کو یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں، اس کی توحید کو قائم کرنے کے لیے سر بکف میدان میں اتر کر باطل کو للکارے۔ پھر زمین کانپے، سر اچھلیں، سینے چاک ہوں، آسمان دھوئیں سے بھر جائے اور جب زمین کو سکون ملے اور گرد چھنٹے تو یہ معلوم ہو کہ حق اپنے وسائل کی کمی کے باوجود کامران ہے اور باطل پسپا اور بے حال...... ہمارے سامنے یہی ایک ہدف ہے۔ ہم اللہ کے بندوں کو برابر اسی ایمان کی

طرف بلاتے رہیں گے، چاہے ایک ہاتھ بھی ہماری حمایت میں نہ اٹھے، اور ایک زبان بھی ہماری تائید کرنے پر تیار نہ ہو۔ انشاء اللہ! کیونکہ اسی طرح سے ذلت عزت میں، بے آبروئی آبرومندی میں اور بزدلی جرأت میں بدل سکتی ہے۔ اور پھر یہ خراب و خستہ، ذلیل و رسوا امت، دنیا اور آخرت میں سرفرازی، کامرانی اور تاجداری کی مستحق بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے۔ آمین!

اس سلسلہ میں سردست ہمارے پیش نظر حسب ذیل کام ہیں:

(۱) گلی کوچوں، سڑکوں اور بازاروں میں الٰہ واحد کی طرف بلانا، اس کی بندگی کی دعوت دینا؛

(۲) گھروں، مسجدوں، اور محفلوں میں قرآن وحدیث کے درس کے ذریعہ لوگوں کو دین حق کے تقاضوں سے واقف کرنا؛

(۳) تعلیم دین کا ایسا انتظام کرنا کہ ایک مسلمان اپنی استعداد کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا کر دین خالص پر چل سکے؛

(۴) تحریر کے ذریعہ دین کی خالص دعوت کو پھیلانا؛

(۵) سب سے بڑھ کر خود اپنی زندگی سے اس بات کی شہادت دینا کہ بندگی خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور اس طریقہ پر جو سنت نبوی کا طریقہ ہے؛

(۶) اللہ کے ایسے بندوں کو تلاش کرنا جو ایک مالک کی بندگی پر جم جانے کا عزم رکھتے ہوں؛ انہیں یکجا اور منظّم کرنا اور پھر ان کو ساتھ لے کر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کی بازی کھیلنا۔

آخر میں ہم ان لوگوں سے، جن تک ہماری یہ دعوت پہنچے، یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کو ہر طرح سے جانچیں اور پرکھیں گے، اور اگر حق پائیں گے تو ہمارا ساتھ دینے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر زندہ رہنے اور ایمان پر مرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قبر نبوی ﷺ کی زیارت کی دوسری جھوٹی روایتیں

زیارت قبر نبوی ﷺ کے سلسلہ میں جو روایات بھی بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب گھڑی ہوئی، بناوٹی ہیں۔ لیکن ایک سوال بہرحال باقی رہ جاتا ہے کہ آخر ان بے شمار

روایتوں کے لیے یہ ساری کاوشیں کیوں کی گئیں؟ تو جواب صاف ہے کہ قرآن، حدیث اور تعمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے قبر پرستی کے لیے کوئی جواز ملنا ممکن نہ تھا اس لیے ان بناوٹی روایتوں کے ذریعہ قبر نبوی ﷺ کی زیارت پر زور دے کر دوسری مخصوص قبروں پر میلوں اور جمگھٹوں کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ کا ذکر کیا جا چکا ہے، زیارت قبر نبوی ﷺ کے سلسلہ کی دوسری روایات یہ ہیں، اور یہ سب بھی نا قابل اعتبار ہیں۔

(۲) دوسری روایت یوں ہے:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ (رواہ البیھقی والدارمی وغیرہ)

''جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

امام بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں پوری سند یوں بیان کی ہے:

اَخْبَرَنَا اَبُوْ سَعِیْدِنِ الْمَالِیْنِیُّ اَنْبَاَنَا اَبُوْاَحْمَدَ بْنُ عَدِیٍّ الْحَافِظِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسَی الْحُلْوَانِیُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ بْنُ سَمُرَۃَ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ ھِلَالٍ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ الْعُمَرِیُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ....

پھر امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ اس میں موسیٰ بن ہلال العبدی ہے جو مجہول ہے اور عبداللہ العمری نافع سے نقل میں سوء حفظ اور غفلت کا بہت مرتکب ہوتا ہے اور نافع کے ثقہ شاگردوں مثلاً ایوب، یحییٰ ابن سعید الانصاری، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس روایت کو نقل نہیں کیا ہے۔ یہی رائے امام عقیلی کی ''کِتَابُ الضُّعَفَآءِ'' میں اس روایت کے بارے میں ہے۔ اور یہی بات امام الرازی نے کتاب الجرح والتعدیل میں کہی ہے اور صحاح ستہ کے اماموں میں سے کسی نے بھی اس روایت کو قابل قبول نہیں سمجھا (میزان الاعتدال :جلد۳، صفحہ ۲۲۰/جلد۲، صفحہ ۵۸)۔

(۳) تیسری روایت یوں ہے:

عَنْ اَبِی الرَّبِیْعِ الزُّھْرَانِیُّ عَنْ حَفْصٍ عَنْ لَّیْثَ ابْنُ اَبِیْ سُلَیْمٍ عَنْ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

(دار قطنی)

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یوں ہیں:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَ صُحْبَتِیْ

''جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی، میری موت کے بعد، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس نے زندگی میں میری زیارت کی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ گویا اس نے میری زندگی اور میری صحبت میں میری زیارت کی۔''

یہ روایت بھی ساقط الاسناد اور منکر المتن ہے۔ ائمہ حدیث نے اس کو مِنَ الْاَخْبَارِ الْمَکْذُوْبَةِ وَالْمَوْضُوْعَةِ (یعنی گھڑی ہوئی اور جھوٹی روایتوں میں سے ایک) قرار دیا ہے۔ اس کے اندر حفص بن سلیمان ابی داؤد ہے جس کے متعلق ائمہ حدیث کی آراء یہ ہیں:

☆ امام احمد: یہ متروک الحدیث ہے؛

☆ امام بخاری علیہ الرحمۃ: محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے؛

☆ امام مسلم علیہ الرحمۃ: متروک ہے؛

☆ امام نسائی: وہ ثقہ نہیں ہے اور اس کی حدیثیں نہیں لکھی جاتیں؛

☆ عبدالرحمٰن بن یوسف: وہ کذاب ہے، وضاع ہے۔ (میزان الاعتدال: جلد ۱، صفحہ ۲۶۱)

(۴) اس سلسلہ کی چوتھی روایت یوں ہے:

حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِاللهِ الْاَیْلِیُّ وَ عَبْدُالْبَاقِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ ابْنِ شِبْلٍ حَدَّثَنَا جَدِّیْ حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ

(رواه الدار قطنی وقال تفرّد به هٰذاالشيخ (ای محمد بن محمد النعمان ابن شبل) وهومنكر)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا اور پھر میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔''

امام الدارقطنی نے اس کو روایت کرنے کے بعد کہا کہ اس میں ایک شیخ محمد بن محمد بن النعمان ابن شبل کا تفرد ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔

امام ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے (میزان الاعتدال: جلد ۳، صفحہ ۱۲۹)۔

(۵) پانچویں روایت یہ ہے:

حَدَّثَنَا سَوَّارُ بْنُ مَیْمُوْنَ اَبُوالْجَرَّاحِ الْعَبْدِیُّ قَالَ حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ عُمَرَ عَنْ

عُـمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَـقُوْلُ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ اَوْ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعاً اَوْ شَهِيْداً(رواه ابو داؤد الطيالسی فی مسنده)

”............کہا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی یا یہ کہا (راوی نے اپنا شک بیان کیا) کہ جس نے میری زیارت کی، میں اس کا شفیع یا شہید ہوں گا۔“

اس روایت میں بھی اوپر والی دوسری روایتوں کی طرح متعدد نقائص ہیں۔ اس کی سند میں اضطراب ہے، انقطاع ہے، جہالت اور ابہام ہے۔ امام بیہقی نے اس کو اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں بیان کرنے کے بعد فیصلہ فرمایا کہ ”هٰـذَا اَسْـنَـادٌ مَّـجْهُـوْلٌ“۔ اس کا راوی سوار بن میمون مجہول ہے۔ اسی طرح سے دوسرا مجہول راوی ہے جس کا نام لیا گیا ہے نہ ولدیت یعنی رَجُلٌ مِّنْ آلِ عُمَرَ (اولاد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک مرد)۔

(۶) چھٹی روایت یہ ہے:

قَالَ اَحْـمَـدُ بْـنُ اِبْـرَاهِيْـمَ بْنُ مِلْحَانٍ حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا مُحَمَّدٍ بْنُ مَـرْوَانٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِياً مِنْ قَبْرِیْ اُبْلِغْتُهٗ (رواه عقيلی وقال لَا اَصْلَ لَهٗ)

”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو میری قبر کے قریب درود پڑھے تو میں سنتا ہوں اور جو قبر سے دور مجھ پر درود پڑھے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔“

(امام عقیلی نے اس کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بے اصل ہے)

اس روایت میں محمد بن مروان کا تفرد ہے اور محمد بن مروان متروک الحدیث ہے۔

☆ جریر کا کہنا ہے کہ محمد بن مروان کذاب ہے۔(تهذيب الكمال: جلد۲۶، صفحه۳۹۳)

☆ عقیلی کا قول ہے کہ ابن نمیر کہتے تھے کہ محمد بن مروان الکلبی ”کذاب“ ہے۔

(حاشية تهذيب الكمال: جلد۲۶، صفحه۳۹۵/ ضعفاء الكبير للعقيلی: جلد۴، صفحه۱۳۶)

☆ امام نسائی اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين للنسائی: صفحه۲۱۹/ الكامل فی ضعفاء الرجال: جلد۷، صفحه۵۱۲)

☆ صالح کہتے ہیں کہ وہ روایات گھڑا کرتا ہے۔(تهذيب الكمال: جلد۲۶، صفحه۳۹۳)

☆ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ”موضوع“ روایات بیان کرتے ہیں۔

(حاشية تهذيب الكمال: جلد۲۶، صفحه۳۹۶)

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بجائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے اور اس میں وھب ابن وھب ابو البختری القاضی ہے اور سارے اہل علم اس کو کذاب اور وضاع کہتے ہیں۔(میزان الاعتدال: جلد ۶، صفحہ ۳۲۸/ ترتیب الموضوعات: صفحہ ۸۰)

(۷) ساتویں روایت یہ ہے:

اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَبْدِاللهِ الْحَافِظِ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِاللهِ الصَّفَّارُ اِمْلَآءً حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسَى الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُالْمَلِکِ بْنُ قَرِیْبٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وَکَّلَ اللهُ بِهَا مَلَکاً یُبَلِّغُنِیْ وَکُفِیٰ اَمْرَ آخِرَتِهٖ وَ دُنْیَاهٗ وَ کُنْتُ لَهٗ شَهِیْداً اَوْ شَفِیْعاً یَّوْمًا الْقِیٰمَةِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کہتا ہے تو ایک فرشتہ جس کو اللہ تعالیٰ نے وہاں مامور کر دیا ہے اس سلام کو مجھ تک پہنچا دیتا ہے اور اس بندے کے آخرت اور دنیا کے معاملات کی کفایت کی جاتی ہے اور قیامت کے دن میں اس بندے کا شہید یا شفیع ہوں گا۔“

یہ روایت معنی کے لحاظ سے اوپر والی روایت کے بالکل خلاف ہے۔ اوپر والی روایت قبر کے قریب سماع کا اظہار کرتی تھی اور یہ عدم سماع کا۔ سند کے لحاظ سے اس میں محمد بن موسیٰ البصری کو کذاب اور وضاع (دروغ گو، اور روایتیں اپنی طرف سے بنانے والا) کہا گیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ محمد بن موسیٰ حدیث بناتا تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے روایتیں بناتا ہے اور اس نے ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں گھڑی ہیں۔(میزان الاعتدال: جلد ۳۔ صفحہ ۱۴۱)

یَا سَارِیَةُ اَلْجَبَل اَلْجَبَل جھوٹی بات ہے

زیارت قبرِ نبوی ﷺ کے سلسلہ کی ان بناوٹی روایتوں کے بعد مناسب ہے کہ اس جھوٹی روایت کی بھی قلعی کھول دی جائے جس نے ایمان کو برباد کر ڈالا ہے اور امت کے خطباء اور واعظین لہک لہک کر منبر و محراب سے اس کا چرچا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیکھو ”ولی“ جب اس زندگی کے جامہ میں محصور ہوتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے ہی، جو اس کو آزاد کرنے اور اس کی طاقتوں کو بڑھانے والی ہوتی ہے، سینکڑوں میل دیکھتا ہے اور پکار کر ہدایت فرماتا

ہے؛ تم نادانو کہتے ہو کہ ''ولی'' غائبانہ کچھ نہیں کر سکتا، مجبور محض ہے، اسے کچھ خبر نہیں ہوتی، آخر عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ میں جمعہ کا خطبہ دیتے وقت ایران میں ساریہ کے لشکر کو کیسے دیکھ لیا، اور کیسے ان کی رہنمائی فرمائی؟............افسوس اس امت پر جس کے اندر ایسی بناوٹی روایت ایجاد کر لی جائے جو ''ولی'' کی کرامت کا نہیں بلکہ اس کی خدائی کا اثبات کرے، اور اس کو صفات علم و تصرف میں اللہ کا شریک ٹھہرائے! پورے سرمایہ روایات میں اس سے زیادہ کسی دوسری روایت نے دنیا کے عقیدہ کو خراب نہیں کیا۔ روایت یوں ہے:

''ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سالار ساریہ کو بنایا۔ ایک دن جمعہ کے خطبہ میں انہوں نے یکایک یہ پکارنا شروع کر دیا: اے ساریہ پہاڑ پہاڑ۔ اس طرح تین مرتبہ کہا۔ پھر اس لشکر کا پیغامبر مدینہ آیا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے لشکر کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! ہم لوگ شکست کھا گئے اور اس شکست کی حالت میں تھے کہ ہم نے یکایک ایک آواز سنی جس نے تین بار اے ساریہ پہاڑ پہاڑ (کی طرف رخ کرو) کی تکرار کی۔ پس ہم نے اپنی پیٹھ پہاڑ سے لگا دی اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن کو ہزیمت دے دی۔ لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ ہی تو تھے جو اس طرح چیخے تھے۔ (رواہ البیہقی بحوالہ مشکوٰہ صفحہ ۵۴۶)

اس روایت کی علّتیں

صحاح ستہ والوں ہی نے نہیں، بلکہ چار سو برس تک کسی حدیث کے جمع کرنے والے نے اس روایت کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس سے پہلے صرف واقدی کذاب نے اس کو اپنی جھوٹی تاریخ (المغازی) میں لکھا تھا۔ پانچویں صدی ہجری میں بیہقی نے اپنی کتاب ''دلائل النبوت'' میں اس کا ذکر کیا اور پھر ابن مردویہؒ نے۔ یہ روایت دو سندوں سے آئی ہے۔

(۱) پہلی سند یہ ہے:

عن ابن وهب عن يحيىٰ بن ايوب عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر

جس میں ابن عجلان راوی نافع سے روایت کرتا ہے اور اس محمد بن عجلان کے بارے میں

☆ امام عقیلی کہتے ہیں کہ یہ نافع کی روایتوں میں اضطراب کا شکار رہتا ہے (یعنی کبھی ایک بات کہتا ہے کبھی دوسری اور یہاں نافع ہی سے روایت کر رہا ہے)۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۹، صفحہ ۳۴۲)

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے۔ (خلاصۃ تہذیب الکمال للخزرجی: صفحہ ۲۹۰)

☆ یحییٰ القطان کہتے ہیں کہ نافع سے روایت میں یہ مضطرب ہے۔(میزان الاعتدال: جلد ۳ صفحہ ۱۰۲)
☆ امام مالک علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابن عجلان حدیث کے معاملات کا جاننے والا عالم نہیں تھا۔ (ایضاً)
ابن عجلان کا شاگرد یحییٰ بن ایوب غافقی المصری بھی جو اس روایت کا ایک فرد ہے، سخت ضعیف راوی ہے:
☆ ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی تو جا سکتی ہے مگر اس سے حجت لانا روا نہیں۔
☆ امام نسائی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے۔
☆ ابن سعد کا کہنا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔
☆ الدار قطنی کہتے ہیں کہ اسکی بعض روایتوں میں اضطراب ہے اور وہ منکر روایت بیان کرتا ہے
☆ اسماعیلی کہتے ہیں کہ اس کی روایات حجت نہیں۔
☆ امام احمد کا قول ہے کہ وہ بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔
☆ حاکم کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے حافظے سے روایت بیان کرتا ہے تو غلط روایت کرتا ہے۔
☆ عقیلی نے اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب: جلد ۱۱ ،صفحہ ۱۸۷ / میزان الاعتدال: جلد ۳ ،صفحہ ۲۸۲)

اس سند پر نگاہ ڈالیے اور فیصلہ کیجیے کہ کیا اس روایت کو انسانوں کے ایمانوں پر تاخت و تاراج کے لیے کھلا چھوڑا جا سکتا ہے؟

(۲) دوسری سند یوں ہے:

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَحْمَدُ بْنُ مُوْسَی بْنِ مَرْدُوِیَّۃِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ اِسْحٰقَ بْنِ اِبْرَاھِیْمُ اَخْبَرَنَا جَعْفَرٌ الصَّائِغُ حَدَّثَنَا حُسَیْنٌ بْنُ مُحَمَّدٌ الرَّوْذِیُّ اَخْبَرَنَا فُرَاتُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ مَیْمُوْنِ بْنِ مِھْرَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْہِ

اس روایت میں فرات بن السائب راوی جو میمون بن مہران کا شاگرد ہے، جھوٹا اور روایت گھڑنے والا تھا:

☆ امام بخاری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں منکر الحدیث تھا، محدثین نے اسے چھوڑ دیا۔

(التاریخ الکبیر: جلد ۱، صفحہ ۱۳۵)

☆ یحییٰ بن معین علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ اس کی کچھ حیثیت نہیں۔

☆ الدارقطنی متروک کہتے ہیں۔

☆ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ محمد بن زیاد بن الطحان کی طرح ہے

اوراس پر بھی میمون بن مہران سے روایت کرنے میں وہی تہمتیں ہیں جو محمد بن زیاد پر ہیں

اوراس محمد بن زیاد کوامام احمد کا ناکذاب کہتے ہیں۔

☆ ابن المدینی کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اس سے حاصل کیا تھا اس کو میں نے پھینک دیا۔

☆ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتا تھا۔الدارقطنی کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا۔

(لسان المیزان:جلد۴،صفحہ۴۳۰،۴۳۱/ میزان الاعتدال:جلد۲، صفحہ۳۲۵ /جلد ۳، صفحہ۲۰)

اس روایت کی ان سندوں کو دیکھیے اور ایمان کی مظلومی پر آنسو بہایئے۔ یہ بات بھی نہ بھولیے گا کہ یہ مسجد نبوی کے جمعہ کے خطبہ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جیسے ابن مردویہ نے صراحت کی ہے۔خلیفہ دوم کے زمانے کے خطبہ جمعہ کی حاضری کا خیال کیجیے۔ پھر دیکھیے کہ اس روایت کو اس بھرے مجمع میں سے صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرنے والے ملے اور کسی دوسرے صحابی یا تابعی نے اس کو بالکل یاد نہ رکھا! کیا یہ بھی ایک ثبوت نہیں کہ یہ روایت گھڑی ہوئی بناوٹی ہے اور عمر رضی اللہ عنہ سے کرامت کی نہیں الوہیت کی صفاتِ علم وتصرف کو منسوب کرتی ہے؟

اللہ گواہ ہے کہ بیہقی نے ''دلائل النبوت'' نامی کتاب لکھ کرامت پر سخت ستم ڈھایا ہے۔ بے حساب جھوٹی روایتوں کو انہوں نے تنقید کے بغیر چھوڑ دیا ہے۔اور یہ روایتیں شرک کا اصلی سبب بنی ہیں اور آج اس کا خمیازہ دنیا والوں کو اللہ کے عذاب کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ بیہقی کے بعد مشکوٰۃ کے مصنف نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔اپنی کتاب میں گھڑی ہوئی جھوٹی روایتوں پر روایتیں لاتے چلے گئے ہیں اور کبھی یہ زحمت گوارہ نہ کی کہ ان کی حیثیت سے امت کو باخبر کردیتے۔سوال کیا جاسکتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ تصوف کی ایجاد کے بعد سچ وجھوٹ کی تمیز اٹھ گئی۔نام نہاد صلحاء اور زہاّد حدیث کے میدان میں بھی اتر آئے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح مسلم کے مقدمہ کے بیان کے بموجب جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ رواں ہوگیا۔انہوں نے اس کا ادراک کیے بغیر اپنی زبانیں آزاد چھوڑ دیں اور جھوٹی روایتوں کی ایک دنیا آباد ہوگئی۔کیا خود جن لوگوں نے یہ کھیتی بوئی تھی، وہ ہی اس کو اجاڑتے؟

قَالَ مُحَمَّدٌ بْنُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِنِ الْقَطَّانُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمْ نَرَ الصَّالِحِيْنَ فِيْ شَيْءٍ اَكْذَبُ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيْثِ قَالَ ابْنُ اَبِيْ عَتَّابٍ فَلَقِيْتُ اَنَا مُحَمَّدًا بْنُ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِنِ الْقَطَّانُ فَسَأَلْتُهُ عَنْهُ فَقَالَ عَنْ اَبِيْهِ لَمْ تَرَ اَهْلَ الْخَيْرِ فِيْ شَيْءٍ اَكْذَبُ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيْثِ قَالَ مُسْلِمٌ يَقُوْلُ يَجْرِي الْكِذْبُ عَلٰى لِسَانِهِمْ وَلَا يَتَعَمَّدُوْنَ الْكِذْبَ (مقدمہ صحیح مسلم :صفحہ ۱۳/۱۴، طبع مصری)

’’محمد بن یحییٰ بن سعید القطان علیہ کہتے ہیں کہ میرے باپ یحییٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے صالحین (**صوفیا کو اس زمانے میں صالحین اور اہل خیر کے نام سے پکارا جاتا تھا**) سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے محمد بن یحییٰ کی ملاقات ہوئی اور میں نے اس بات کی جو مجھ تک پہنچی تھی، ان سے تصدیق چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میرے والد فرماتے تھے کہ اہل خیر (صوفیاء) سے زیادہ تو کسی کو بھی حدیث کے معاملہ میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔ امام مسلم علیہ کہتے ہیں کہ...... جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے چاہے جھوٹ بولنے کا ان کا ارادہ بھی نہ ہو۔‘‘

معلوم ہوا کہ یوں پیٹا پڑی ہے امت پر! اور اس طرح وہ اس عظیم جرم ’’شرک‘‘ میں مبتلا کر دی گئی ہے جس کی اللہ کے یہاں معافی نہیں۔ عقیدہ کی خرابی کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہ کرے گا۔ عمل کی ہر خرابی معاف ہو جائے گی، اگر اللہ چاہے گا۔ قرآن کریم کبھی فرماتا کہ اللہ کے یہاں صرف ’’شرک‘‘ ہی کی معافی نہیں ہے (النسآء:۱۱۶) اور کبھی یوں کہ جس نے شرک کیا اس پر جنت حرام ہے، اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور مشرک کو کوئی حمایتی نہ مل سکے گا۔ (المآئدۃ:۷۲) صحیح احادیث میں بھی اسی ظلم عظیم کا تذکرہ ہے۔ کبھی نبی ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ...... جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں کیا (جنت اس پر واجب ہوگئی) وہ جنت میں داخل ہو کے رہے گا؛ اور جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کیا ہے (تو اس پر جہنم واجب ہوگئی اور) وہ آگ میں داخل ہو کے رہے گا۔ (مسلم: کتاب الایمان) اور کبھی یوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا کوئی بندہ اگر مجھ سے اس حال میں ملے کہ اس نے اعمال کی خرابیوں سے زمین بھر دی ہو لیکن میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو (یعنی عقیدہ خراب نہ ہو) تو میں زمین ہی کے برابر معافی کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔ (صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء) **معلوم ہوا کہ صحیح عقیدہ**

کے بغیر عمل کی کوئی قیمت نہیں اور عقیدہ صحیح ہو تو گنہگار سے گنہگار بندہ آخر کار جنت میں پہنچ کے رہے گا۔

ان نام نہاد زہاد اور صوفیوں کی شان میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس قدر ''رطب اللسان'' ہیں کہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت لائے ہیں کہ ان کی محفل سے ابو داؤد الاعمیٰ اٹھ کر گیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ غلط کہتا ہے یہ تو پہلے بھیک مانگا کرتا تھا؛ (اس سے زیادہ عمر والے) سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) تک نے صرف ایک بدری صحابی سعد بن مالک رضی اللہ عنہ (یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے حدیث سنی ہے کسی اور سے نہیں۔(صفحہ ۱۷) اللہ تعالیٰ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر ہزار ہزار رحمتیں برسائے کہ انہوں نے واضح فرما دیا کہ تصوف کے سارے سلسلے جو حَسَن بَصْرِی رحمۃ اللہ علیہ عَنْ عَلِي رضی اللہ عنہ یا حَسَن بَصْرِی رحمۃ اللہ علیہ عَنْ اَبِی بَکْر رضی اللہ عنہ سے بیان کیے جاتے ہیں، خالص جھوٹ اور صریح کذب ہیں۔حسن بصری کا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے بدری صحابی سے سماع نہیں ہے۔واضح ہو گیا کہ ان کا نہ تو علی رضی اللہ عنہ سے سماع ہے اور نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے (جو کہ دونوں بدری صحابی تھے)۔اس طرح اس دین طریقت کی بنیاد پر ہی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تیشہ چلا دیا اور بتا دیا کہ تصوف کے وہ سارے سلسلے جو حَسَن بَصْرِی رحمۃ اللہ علیہ عَنْ عَلِي رضی اللہ عنہ یا حَسَن بَصْرِی رحمۃ اللہ علیہ عَنْ اَبِی بَکْر رضی اللہ عنہ سے بیان کیے جاتے ہیں، بالکل جھوٹے ہیں؛حسن بصری نے علی رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔

فجزاہ اللہ خیر الجزاء

موجودہ حالت میں یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ایک طرف ہے اور دوسری طرف بانیان مسالک ثلاثہ: دیوبند، بریلی واہلحدیث (قاسم نانوتوی صاحب، احمد رضا خان صاحب اور میاں نذیر دہلوی صاحب) کا اصرار اس کے خلاف ہے؛ مسئلہ کی سنگینی کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے، لیکن اپنے مالک سے ناامیدی کفر ہے، اس لیے آیئے کہ مل کر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو دنیا سے منوانے کے لیے اپنی امکانی کوشش اس راہ میں لگا دیں اور امید رکھیں کہ رب غیور و غالب ان کو ضائع ہونے سے بچائے گا۔

ہم اپنی کتابوں پر نہ تو کوئی قیمت وصول کرتے ہیں، اور نہ کسی پر ان کی طباعت واشاعت کے سلسلے میں پابندی لگاتے ہیں